Literary and Research Journal

ISSN: 2410-1834

Al-Ehsan

Issue # 2 July-December, 2014

Patron in-Chief
Professor Dr. Muhammad Ali
Vice Chancellor

Editor in-Chief
Dr. Humayun Abbas
(Dean, Faculty of Islamic & Oriental Learning)

Editor
Dr. Iftikhar Ahmad Khan

Co-Editor
Dr. Imrana Shehzadi

Tasawwuf Study Centre,
Department of Islamic Studies & Arabic
Govt. College University, Faisalabad.

Editorial Board

Dr. Muhammad Ishaq Qureshi,
Pir Muhammad Amin-ul-Hasnat Shah
Khawaja Qutab-ud-Din Faridi,
Muhammad Afzal Saeed,
Bushra Fazal
Dr. Ghulam Akbar, Dr. Matloob Ahmad,
Dr. Sher Ali, Hafiz Asif Ali Raza
Fakhar-uz-Zaman, Meerza Amjad Raazi

Advisory Board

National

Dr. Muhammad Akram Virk, Dr. Hafiz Muhammad Sajjad,
Prof. Muhammad Iqbal Mujadadi, Dr. Abdul Ghani Sheikh
Dr. Durmush Bulgur, Dr. Mumtaz Ahmad Sadidi
Prof. Dr. Noor Ahmad Shahtaz

International

Dr. Hafiz Muhammad Munir Al- Azhari (Egypt)
Dr. Abdul Ghaffar Azm (England)
Dr. Aleem Ashraf Jayesi (India), Dr. Mushtaq Tajarvi (India)
Dr. Kausar Mustafa (Bangladesh)
Dr. Muhammad Hussain Muhammadi (Iran)

Price: 400/-

Tasawwuf Study Centre,
Department of Islamic Studies & Arabic
Govt. College University, Faisalabad.
Contact : +92-041-9201559 , Mobile: 0300-6659771
E.mail:drhumayunabbas@gcuf.edu.pk
E.mail: dr.iftikhar747@yahoo.com
0333-6531747/0322-6531747

گذارشات

۱۔ششماہی مجلّہ الاحسان کے لیے اُردو، عربی، فارسی، انگریزی اردو دنیا کی کسی بھی زبان میں غیر مطبوعہ مقالات جو تصوف سے متعلق ہوں، ارسال کئے جا سکتے ہیں۔

۲۔طبع زاد مضامین کے علاوہ دوسری زبانوں کے تصوف کے تحقیقی مقالات کے اُردو تراجم کو بھی شامل کیا جائے گا۔

۳۔مقالات A4 سائز پر ایک جانب کمپوز کروا کر بھیجیں۔

۴۔حروف کا سائز ۱۴ پوائنٹ ہو۔ مقالے کے ساتھ انگریزی زبان میں اسکی تلخیص ضرور شامل کی جائے جو اندازاً ۱۰۰ الفاظ پر مبنی ہو۔

۵۔صفحہ کا مارجن دائیں 2.5 بائیں 1.0 اوپر 1.0 نیچے 2.0 ہو۔

۶۔وہی مقالات قابل اشاعت ہوں گے جن کے ہمراہ سی ڈی بھی ہو یا وہ برقی پتہ (ای میل) کے ذریعے بھیجے گئے ہوں۔ نیز کمپوزنگ کسی ماہر کمپوزر سے کروائیں۔

۷۔مقالہ کے حواشی و حوالہ جات اور کتابیات پر خصوصی توجہ دی جائے اور اس حوالے سے مروجہ، معیاری طریقہ پر عمل کیا جائے۔

۸۔الاحسان میں کسی مقالہ کی اشاعت کے لیے ادارہ کی طرف سے نامزد کردہ ماہرین کی تائید ضروری ہے، نیز نا قابل اشاعت تحریروں کی مصنفین کو واپسی کی ذمہ داری ادارہ قبول نہیں کرے گا۔

۹۔مدیر مقالہ نگاروں کو ماہرین کی آراء سے آگاہ کرے گا۔ نیز اگر کسی مقالہ میں تبدیلی کی ضرورت ہو گی تو اس کے لیے بھی مقالہ نگار سے درخواست کی جائے گی۔

۱۰۔مقالہ پندرہ صفحات سے کسی بھی صورت متجاوز نہ ہو۔

۱۱۔مقالہ اُردو پروگرام Inpage میں کمپوز کیا جائے۔

۱۲۔اشاعت کی صورت میں مقالہ نگار کو مجلّہ کو دو اعزازی نسخے روانہ کئے جائیں گے۔

۱۳۔الاحسان میں اشاعت کے لئے اپنی نگارشات / خطوط / کتابیں اس پتہ پر روانہ کریں۔

مرکز برائے مطالعہ تصوف

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، قائداعظم بلاک، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد، پاکستان

Contact : +92-041-9201559, Mobile: 0300-6659771
E.mail: dr.iftikhar747@yahoo.comE.mail:drhumayunabbas@gcuf.edu.pk
0333-6531747/0322-6531747

فہرست

پیغام 5

آغازِ سخن 7
پروفیسر ڈاکٹر محمد علی

احسان 9
ڈاکٹر افتخار احمد خان

مذاہبِ طریقت کشف المحجوب کی روشنی میں 15
پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

سیدہ نفیسہ بنت حسن الانور___ایک تعارف 34
پروفیسر ڈاکٹر محفوظ احمد

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ: حیات و خدمات 52
ڈاکٹر عمرانہ شہزادی

بدیع الزمان سعید نورسی کے صوفیانہ افکار (رسائلِ نور کی روشنی میں خصوصی مطالعہ) 63
محمد الطاف سلطانی، ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری

تفسیر روح المعانی میں شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی آثار 74
انصر جمال، ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا اشاعتِ اسلام میں کردار 83
حافظ آصف علی رضا

ادبِ تصوف اور أبو عبداللہ الحارث بن أسد المحاسبی 103
ڈاکٹر عبدالرشید قادری

شیخ احمد رضا خان پر مولانا روم کے اثرات 114
حافظ محمد اکرم الازہری

ترکی میں منعقدہ پہلا بین الاقوامی امام ربانی سیمپوزیم 128
قیصر ایوب

التصوف فی الإسلام نشأته وتطوره 135
پروفیسر محمد اقبال مجددی

الدکتور ثناء اللہ الأزهري

The Consept of Self Purification in Tasawwuf 3
Dr. Matloob Ahmad, Dr. Kaniz Fatima

Sanusiyah: A study of Revivalist Movement in Islam 21
Dr. Ghulam Shams-ur-Rahman

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، پیر محمد امین الحسنات شاہ، خواجہ قطب الدین فریدی، محمد افضل سعید، بشریٰ فضل، ڈاکٹر غلام اکبر، ڈاکٹر مطلوب احمد، ڈاکٹر شیر علی، حافظ آصف علی رضا، فخر الزمان، میرزا امجد رازی

مجلسِ مشاورت:

قومی:

ڈاکٹر محمد اکرم ورک، ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، پروفیسر محمد اقبال مجددی

ڈاکٹر عبد الغنی شیخ، ڈاکٹر دُرمُش بُلگر، ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

بین الاقوامی:

ڈاکٹر حافظ محمد منیر الازہری (مصر)، ڈاکٹر عبد الغفار عزم (برطانیہ)

ڈاکٹر علیم اشرف جائسی (بھارت)، ڈاکٹر مشتاق تجاروی (بھارت)

ڈاکٹر کوثر مصطفیٰ (بنگلہ دیش)، ڈاکٹر محمد حسین محمدی (ایران)

قیمت: -/400

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی

گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Contact : +92-041-9201559 , Mobile: 0300-6659771

E.mail:drhumayunabbas@gcuf.edu.pk

E.mail: dr.iftikhar747@yahoo.com

0333-6531747/0322-6531747

علمی و تحقیقی مجلّہ

ISSN: 2410-1834

الاحسان

شمارہ نمبر 2 جولائی تا دسمبر 2014ء

سرپرست اعلیٰ:

پروفیسر ڈاکٹر محمد علی

(وائس چانسلر، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد)

مدیر اعلیٰ:

پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس

(ڈین، فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ)

مدیر:

ڈاکٹر افتخار احمد خان

معاون مدیرہ:

ڈاکٹر عمرانہ شہزادی

More Light

مرکز برائے مطالعۂ تصوف

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی

جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد، پاکستان

پیغام

اسلام ایک معاشرتی دین، پُر امن اور مثالی معاشرہ کی تشکیل کا داعی ہے۔ معاشرہ ایک ایسا مظہر ہے جس کی تعمیر و ترقی میں اِدارے بالخصوص جامعات کا کردار بہت ہی اہم ہے۔ جو جامعات افراد سازی میں کارہائے نمایاں انجام دیتی ہیں، ہمیشہ یاد رکھی جاتی ہیں۔ کسی بھی ادارے میں فکری تعمیر اور ذہن سازی میں اس کے اساتذہ اور علمی وتحقیقی مجلّات اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ شعبہ علوم اسلامیہ وعربی سے ایسے ہی علمی وتحقیقی مجلہ ''الاحسان'' کا اجراء قابلِ تحسین ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ مجلہ افراد کی تیاری، معاشرے سے کج رویوں کے تدارک اور تصوف کی صحیح روح اجاگر کرنے میں اپنا کردار ادا کرتا رہے گا اور اُمید واثق ہے کہ یہ مجلہ تصوف کے علمی، فکری اور معاشرتی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے کوشاں رہے گا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد علی
وائس چانسلر، جی سی یونی ورسٹی
فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سخن

تصوف تلاشِ احسن کی ہمہ گیر تحریک، صیانتِ عقیدہ، تطہیرِ قلب، عبادات میں حُسن اور دلکشی پیدا کرنے کا بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ صوفیہ نے دینِ اسلام کی تبلیغ واشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ جن نفوسِ قدسیہ نے اس اہم فریضہ کو انجام دیا، اللہ تعالیٰ کی پہچان کرائی، عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی شمع کو فروزاں کیا اور اسے مسلمانوں کے دلوں کا مسکن بنایا۔ آج انہی نفوسِ قدسیہ کی عملی، روحانی اور اخلاقی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کیا جارہا ہے۔ ایسے ہی لوگ حقیقت اور روحِ تصوف سے ناآشنا نظر آتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ دورِ حاضر کے کچھ ایسے اہلِ تصوف بھی نظر آتے ہیں جنہوں نے تصوف کا لبادہ تو اوڑھ رکھا ہے مگر حقیقت میں ان کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ معاشرہ میں فساد، بدامنی اور بے سکونی کا باعث ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کی حمایت اور مخالفت میں بہت کچھ لکھا جارہا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں تحقیقی اِداروں خصوصاً جامعات کے اساتذہ پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تصوف کی اصل حقیقت کو منظرِ عام پر لائیں اور تصوف کے نام پر کی جانے والی افراط وتفریط کا قلع قمع کریں کیونکہ تصوف اسلام ہی کے عملی پہلو کا نام ہے۔ اس سے معاشرہ میں امن وسکون، اخوت و بھائی چارہ، الفت ومحبت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں اور معاشرہ ایک مثالی اور پُرامن شکل اختیار کر جاتا ہے۔ اسی امر کے پیشِ نظر مجلہ ''الاحسان'' کا اجراء کیا گیا۔ جس کو اہلِ علم ودانش نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا اور بہت سے استحسانی خطوط ومراسلہ جات ارسال کیے۔ پیشِ نظر مجلہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے جسے مرکز برائے مطالعہ تصوف سے شائع کیا جارہا ہے جس میں تصوف سے متعلق ۱۱ مقالات، روئیداد اور ایک کتاب پر تبصرہ شامل ہیں جو مختلف اصحابِ دانش کی ذہنی کاوش کا نتیجہ

ہیں۔اس مجلہ کے اجراء میں ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس کی مساعی ناقابلِ فراموش ہیں۔آپ ایک علم دوست اور فکری پختگی کے مالک استاد اور دانشور ہیں۔آپ نے ہمیشہ نئی نسل کی آبیاری کی ہے۔اس علمی،فکری اور روحانی تحریک کو آگے بڑھانے میں کئی ایک نامور ملکی اور بین الاقوامی شخصیات کی علمی وفکری معاونت بھی شامل ہے خاص طور پر جامعہ ہٰذا کے وائس چانسلر ڈاکٹر محمد علی کی ترغیب وتلقین ایک مہمیز اور تحریک کی حیثیت رکھتی ہے جن کی دِلی تمنا اور خواہش ہے کہ یہ اِدارہ علمی دنیا میں اپنی ساکھ منوانے میں نہ صرف کامیاب ہو، بلکہ اس راہ کے سالکین کا رہبر ورہنما بھی ثابت ہو۔اللہ رب العزت کی بارگاہ میں التجاواستدعا ہے کہ وہ اس مساعی جلیلہ پر ثابت قدم رکھے اور اس کو آگے بڑھانے میں اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے،تاکہ نئی نسل کی فکری،روحانی اور اخلاقی تربیت کر کے معاشرہ کے لیے مفید اور صحیح العقیدہ شہری بنانے میں کامیابی نصیب ہو جن کے قلوب واذہان میں عشق مصطفیٰ ﷺ کی شمع فروزاں ہو۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

مدیر

ڈاکٹر افتخار احمد خان

احسان

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی ☆

Abstract:

This article entitled Ehsan deals with the word Ehsan and it is explain in the light of the Holy Quran and the Sunnah of the Holy Prophet(PBUH). The Ehsan is derived from "Hussn" means good and fine. The Ehsan has great extent in its meanings and understanding. This is applied in any action and work of an individual which is completed with beautiful and fine process. The life and the Sunnah of the Holy Prophet(PBUH) is the greatest model of Ehsan. All human beings should adopt Ehsan in all fields of life.

Key Words:

Ehsan, Hussn, Extent, Meanings, Applied, Individual, Greates, Model, Human Beings.

احسان، حُسن سے مستشق ہے جس کا معنیٰ بہتر اور عمدہ ہونا ہے۔ کسی فعل یا عمل کا یوں ادا ہونا کہ اُس میں حُسن وخوبی پیدا ہو جائے یا اُس کی بہتر صورت سامنے آئے، احسان کہلاتا ہے۔ عموماً یہ لفظ نیکی، بھلائی، حسنِ سلوک اور انعام وکرام کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اُردو محاورے میں یہ لفظ مہربانی اور نوازش کا مترادف ہو کر رہ گیا ہے مگر عربی میں اس کا مفہوم مختلف جہتوں کا حامل ہے اور اسلامی نظام معاشرت میں بھی یہ اصطلاحاً متعدد معانی کو محیط ہے۔ قرآنی تعلیمات میں احسان دو مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔ الانعام علی الخیر۔

☆صدر مرکزِ تحقیق، فیصل آباد

یعنی کسی دوسرے پر انعام وکرام کے معنی میں جیسے ارشاد ہوا **ان احسنتم لا نفسکم**(۱)۔ کہ اگر تم کسی پر انعام کرو گے یا اچھا سلوک کرو گے تو اپنے آپ کے ساتھ ہی احسان کرو گے۔ دوسرے اعمال میں حُسن و رعنائی کے مفہوم میں جیسے **و من احسن دینا** یعنی جس نے اپنے دین کو عمدہ بنایا۔ اعمال کا بہتر پیراہن اور افعال کا عمدہ ترین طرز اظہار احسان ہے۔ اس لیے علم حسن، عملِ حسن کے مرکبات استعمال ہوتے ہیں اور اسی کے مطابق امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے "**الناس ابناء مایحسنون**" لوگ اعمال حسنہ کے حامل افراد کے غلام ہوتے ہیں۔ احسان، ہر عمل کو اس کی نہایت بہتر صورت میں انجام دینے کا نام ہے۔ یہ عدل سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ عدل میں ادائیگی واجبات ہے جبکہ احسان میں اس سے کہیں بڑھ کر کچھ کرنے کا مفہوم شامل ہے۔ علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "**العدل هو ان یعطی ما علیه و یا خذ ماله**"(۲) یعنی عدل ان واجبات کے ادا کرنا ہے جو ادا کرنے والے پر ضروری تھے یا وہ کچھ لینا ہے جو اپنا تھا مگر احسان "**ان یعطی اکثر مما علیه و یا خذ اقل مماله**" واجب سے بڑھ کر ادا کرنے اور حق سے کم لینے کا نام ہے۔ عدل واجبات میں سے ہے احسان اخلاقی و انسانی تقاضا ہے۔ یہ ضوابط یا قوانین کا اثر نہیں نیکی کی خواہش اور نیک دلی کا مظہر ہے۔ اسی لیے احسان کرنے والوں کے فضائل بیان کیے گئے "**ان اللہ مع المحسنین**" بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ قرآن پاک نے عدل کے ساتھ اس کا حکم دے کر اس کی رضا کارانہ حیثیت کو سندِ وجوب بھی عطا کی ہے۔ "**ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان**"(۳) بے شک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ احسان کا تقاضا اس لیے کیا گیا کہ خود انسان کی کامیابی اور نجات اس پر ہی انحصار رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے پایاں انعامات سے نوازا اور اس پر ایسے ایسے اکرام کیے کہ انسان پوری زندگی بھی خرچ کر ڈالے تو ان میں سے کسی ایک کا حق ادا نہ ہو۔ اگر ذات باری تعالیٰ عدل کے معیار ہر اعمال کا محاسبہ کرنے لگے تو کسے نجات کی امید ہے۔ اس لیے ہر انسان خواہ وہ اعمال و افعال کی انجام دہی بہت محتاط بھی ہو حق میں کوتاہی ہی کا مرتکب رہتا ہے اس لیے ہمیشہ طلب گارِ احسان ہی رہے گا۔ جب انسان کی نجات کا مدار احسان پر ہے تو اُسے بھی اسی صفت حسنہ کو اپنی زندگی کا حصہ بنانا چاہیے اسی طرف قرآن پاک نے اشارہ کیا ہے "**و احسن کما احسن اللہ الیک**"(۴) اور احسان کرو جیسا کہ تم پر اللہ نے احسان کیا ہے۔ اس آیت کریمہ نے احسان کو مقصد حیات بنا دیا کہ یہی وسیلہ بخشش اور ذریعہ نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حُسن و خوبی لیے ہوئے ہے۔ اس لیے وہ ایسے ہی افعال کو پسند کرتا ہے جو ممکن حد تک حسین ہوں اور یہ حُسن و زیبائی ہر ہر عمل میں شامل ہو جائے، حقوق العباد پیشِ نظر ہوں تو ان کی ادائیگی احسن طریق سے ہو۔ "**و بالوالدین**

احسانا'' اور والدین سے احسان کے ساتھ پیش آؤ۔ باہمی معاملات ہوں تو ان میں بھی احسان کی طلب رہے۔قرض دو تو قرض حسنہ ہو، مجبوراً طلاق کی نوبت بھی آئے تو ''**تسریح باحسان**'' تو رخصت بھی احسان کے حوالے سے کرو، دفاع کا مرحلہ درپیش ہو اور دشمنانِ اسلام سے ستیزہ کاری کی نوبت آئے تو بھی ''**ادفع بالتی ھی احسن**'' اس طریق سے دفاع کرو جو احسن ہو، جھگڑا ہو جائے ظاہراً معاملہ بگڑ جائے اور مخاصمانہ فضا قائم ہو جائے تو ایسے ناموافق حالات میں بھی احسان ہی سرمایہ حیات رہے۔ **وجادلھم بالتی ھی احسن**'' حسین تر انداز سے جھگڑا کرو۔ سمجھانا یہ مقصود تھا کہ اسلام دینِ احسان ہے۔ اس کا مطمع نظر ہر معاملے میں بہتر کی تلاش ہے۔ معاملات کتنے بھی الجھے ہوئے ہوں اور بظاہر ان میں حُسن وخوبی کا وجود ناممکن نظر آئے مگر پھر بھی ایسے بُرے حالات میں جس قدر اچھائی ممکن ہو اس کا ہی اپنا لو تاکہ ممکن ہو اس کو ہی اپنا لو تاکہ ممکن حد تک رُخ حُسن کی طرف ہی رہے۔ غور فرمایئے قتل ایک بھیانک فعل ہے اسلام کی تعلیمات اس فعل قبیح سے بچنے کی بار بار تاکید کرتی ہیں کہ انسانی زندگی سے اسے مستقل موقوف کر دینا ناممکن ہے۔ ناپسندیدہ ہوتے ہوئے بھی بعض اوقات یہ ناگزیر ہوتا ہے۔ جہاد ایسی ناگزیر صورت کا عملی اظہار ہے۔ قتل بہر صورت ہوگا تو اسلام اس میں بھی بہتر کیفیت کی پاسداری کا درس دیتا ہے۔ ناسور کاٹنا تو ہے مگر ضروری سمجھتے ہوئے اور اصلاح احوال کے لیے، اس میں شقاوت کا کوئی شائبہ مناسب نہیں اس لیے آنحضرت ﷺ نے حکماً ارشاد فرمایا ''**ایاکم والمثلة ولو کان بالکلب العقد**'' خبردار مثلہ نہ کرنا یعنی ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ نہ کاٹنا۔ اگرچہ یہ عمل کاٹنے والے کتے کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ دینِ رحمت کی احسان طلبی ملاحظہ کیجیے کہ پیغمبرِ رحمت ﷺ ایک قابل نفرت اور لائق اجتناب مکروہ مخلوق کے قتل میں بھی بہتر پہلو تلاش کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ مارنا تو ہے ہی مگر ایسے مارو کہ اس میں جوشِ انتقام کا کوئی اثر نہ ہو۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''**ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیءٍ، فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة واذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة ولیحد احدکم شفرته ولیرح ذبیحته**''(۵) بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کا حکم دیا ہے، جب تم کسی کو مارو تو قتل کا انداز احسن ہونا چاہیے اور جب تم کوئی جانور ذبح کرو تو ذبح کا طریق عمدہ تر ہونا چاہیے، تمہیں چاہیے کہ چھری تیز کرو اور ذبح ہونے والے جانور کو آرام پہنچاؤ۔ اللہ اللہ ذبح تو کرنا ہی ہے، جانور کی جان جائے گی مگر اس عمل میں ایسا طریق اپنانے کا حکم دیا کہ یہ نتیجہ آرام دہ طریق سے حاصل ہو جائے۔ کند چھری سے ذبح تو ہو جائے گا مگر اس میں تکلیف کئی گُنا بڑھ جائے گی۔ جیسے آپریشن کرنے والا سرجن کند ہتھیار استعمال کرے تو کٹنے کا قابل ناسور بھی تکلیف میں کئی گُنا ہو جائے گا۔ اعمال کا حسن یہ ہے

کہ ان کی ادائیگی کا حق ادا ہوجائے ۔ اسی لیے حدیثِ جبرئیلؑ میں آنحضرت ﷺ سے ''احسان'' کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا ''عبادت کا یوں انجام دینا جیسے کہ تو اپنے معبود کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ قوتِ نظر حاصل نہ ہو تو یہ خیال کرے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔'' کوئی عمل جب اُس ذات کے حضور ہوتا ہے جس کے حکم کی تعمیل میں اسے سرانجام دیا جاتا ہے تو حضوری کا تصور، ذات کی ہیبت اور محاسبہ کا خوف اس عمل میں قلب ونظر کی تمام قوتیں سمو دیتا ہے اور وہ صرف حرکات کا نام نہیں باطن کا عکس ہوتا ہے اور اگر یہ بھی یقین ہو کہ دیکھنے والی ذات ظواہر سے کہیں دور باطن کی سرگوشیوں کا بھی مشاہدہ کر رہی ہے تو عمل خلوص نیت کا مظہر اتم بن جاتا ہے اور یہی حسنِ عمل ہے کہ اس میں دنیاداری سے سروکار نہیں رہتا۔ یہ خالق ومخلوق کا پاکیزہ رابطہ ہوتا ہے۔ یوں اگر مسلمان کا یقین خالق کائنات کے وجود کو ہمہ وقت قریب محسوس کرے تو پوری زندگی حسنِ کردار کی حامل ہوجاتی ہے اور احسان زندگی کا ایک پہلو نہیں پوری زندگی کا عکس ہوتا ہے اور مومن ہمہ تن محسن۔ اُس کی زندگی ہمہ جہت احسان کا پرتو ہوتی ہے۔ اعمال کا ہیولہ مختلف ہوگا، حرکات وسکنات متفاوت ہوں گے مگر تلاشِ حسن ہمہ وقت جاری رہے گی۔

آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ ''حسن عمل'' کی معراج ہے۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کا ہر گوشہ حسین تر اور آپ کے کردار وسیرت کا ہر واقعہ حسن بداماں ہے۔ اسی لیے تو آپ کا ہر عمل ''اسوہ حسنہ'' کا مظہر ہے۔ آپ کی عبادات، آپ کے معاملات اور آپ کے اخلاق وآداب مظاہرِ احسان ہی تو ہیں۔ ایک عمل بھی تو ایسا نہیں کہ کوئی یہ کہہ سکے کہ ان حالات میں اس سے بہتر ممکن تھا، حسن کردار کا کوئی پہلو نہیں جو آپ کی زندگی کا جزو نہ بن گیا ہو اور طرزِ احسان کوئی ادا نہیں جو آپ کی حیات مقدسہ میں ڈھل نہ گئی ہو۔ اسی لیے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ شہادت دیتے ہیں کہ آپ ''**احسن الناس وجها واحسنهم خلقاً**'' یعنی آپ تمام انسانوں سے حسین تر تھے۔ حُسن صورت میں بھی حُسن سیرت میں بھی سیرت مقدسہ کے متعدد واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ آپ اپنی احسان بخشی کے وہ انمول موتی لٹائے کہ تاریخ آج تک دم بخود ہے۔ مکہ مکرمہ میں قریش کا ظلم وستم تاریخ کے اوراق میں آج تک محفوظ ہے۔ کیا اتنے بُرے دشمنوں سے کوئی درگزر کرتا ہے مگر نبی رحمت ﷺ نے فتح مکہ کے روز ایسے طرزِ عمل سے وہ حُسنِ عمل کا مظاہرہ کیا کہ آپ کی یہ نوازشیں نہ مٹنے والی یادیں بن گئیں۔ **لا تثريب عليكم اليوم** ''آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں'' یوں تو ایک جملہ ہے مگر یہ ماضی کے دورِ سیاہ اور ظلم وستم کے طویل سلسلے کے انجام کے طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ ایسا شیریں سخن ہے کہ انسانیت رہتی دنیا تک اس کی چاشنی محسوس کرتی رہے گی۔ ابوسفیان جیسے دشمنوں کو یوں معاف کر دینا کہ اُس کے حوالے سے

معافی معلق ہوکر رہ گئی کتنا بڑا احسان تھا،غزوات کی تلخیوں میں مظلوموں کی اعانت، اسیروں سے حسن سلوک، بچوں بڑوں کی اعانت، عورتوں کا احترام، جہاد کی شمشیر آشامی کے باوجود رحمت و رافت کے اشارے تھے، انسانوں سے برابری کا سلوک، بحیثیت انسان سب کی عزت و اکرام تعلقات باہمی کا حسین تر باب ہے۔ جانوروں تک سے محبت وشفقت، اُن کی تکالیف کے ازالے کی عملی خواہش رحمت عالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لامحدود رحمتوں کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ احسن الخالقین کی احسن مخلوق ہونے کے ناطے سے آپ سراپا رحمت اور ہمہ تن احسان تھے، عبادات میں بھی، معاملات میں بھی اور اخلاق و کردار میں بھی، آپ احسن تقویم، احسان کے لیے اسوہ حسنہ تھے اس لیے آپ بہر نوع مجسم احسان تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لطف و احسان سے ہمیں بہرہ مند ہونے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم بھی محسنین کی اتباع میں احسان شناس بن سکیں۔

♦♦♦

حوالہ جات

۱۔ الاسراء:۷

۲۔ الاصفہانی، الراغب، العلامہ، مادۃ ''ع دل'' ومادۃ ''ح س ن''

۳۔ النحل:۹۰

۴۔ القصص:۷۷

۵۔ صحیح مسلم، باب الامر باحسان الذبح والقتل، تحقیق: محمد فواد الباقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۳، ص۱۵۶۸

♦♦♦

مذاہبِ طریقت کشف المحجوب کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر محفوظ احمد ☆

Abstract:

Spiritual Status of the Saints(Sufia) are also the source of Mysticism alongwith the Holy Quran and Hadith. Since the difference of intellectual thoughts is a natural process, similory, the results of individual spirtutal conditions are bound to differ. On the basis of these differences and conflicts like theological(Fiqhi(sects, different Mystical sects came into being. Hazrat Ali Bin Usman Hajveri has mentioned few of these sects in his book"Kashaf-ul-Mahjoob. These sects and their teachings have been disussed in this reaearch article

Key Words:

Spiritual, Saints, Theological, Sects, Kashaf-ul-Mahjub, Hajveri

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بنیادی لحاظ سے چار مقاصد تھے:

اول: تلاوت قرآن حکیم

دوم: تعلیمِ کتاب

☆ پرنسپل گورنمنٹ اسلامیہ پوسٹ گریجویٹ کالج، سانگلہ ہل (ننکانہ صاحب)

سوم: تعلیمِ حکمۃ

چہارم: تزکیہ نفس (۱)

ان چہار مقاصد میں تزکیہ نفس کو بنیادی اہمیت حاصل ہے جسے بعد میں تصوف کا نام دیا گیا جس کے بنیادی اصول یا ارکان استغراق عبادت (یادحق)، توبہ، زہد، ورع، فقر، توکل اور رضا ہیں۔ صحابہ کرامؓ کو یہ مقصود اول الذکر تین امور کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے حاصل ہوا۔ لیکن اس کے باوجود یہ حظ کسی کو کم ملا اور کسی کو زیادہ۔ تمام صحابہ کرامؓ میں سے صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ ان سے تزکیہ نفس کے باقاعدہ سلاسل کا آغاز ہوا۔ یہ دونوں حضرات مقام صدیقیت اعلیٰ پر فائز تھے۔

صدیقیت قُربِ الٰہی کا وہ مقام ہے جس پر انبیاء علیھم السلام اعلان نبوت سے قبل اپنے معاشرے میں معروف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ فِيْ الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقاً نَّبِياً (سورۃ مریم: ۴۱)

اور کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر کیجیے بے شک وہ صدیق نبی تھے۔

وَاذْكُرْ فِيْ الْكِتَابِ إِدْرِيْسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقاً نَّبِياً (سورۃ مریم: ۵۶)

اور کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا ذکر کیجیے بے شک وہ صدیق نبی تھے۔

حضرت مریم سلام اللہ علیھا کو عورت ہونے کی وجہ سے مقام نبوت کی بجائے مقام صدیقیت عطا ہوا چنانچہ ارشاد ہوا:

اُمُّهُ صِدِّيْقَةٌ (سورۃ المائدۃ: ۷۵)

آپ کی والدہ صدیقہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اعلان نبوت سے قبل اہل عرب الصادق والامین کے لقب سے پکارتے تھے۔ قریش نے جب تعمیر عمارت کعبہ کی تو بیت اللہ میں حجر اسود کی تنصیب کے معاملہ میں اختلاف پیدا ہوا تو ایک قریشی ابواُمیہ مخزومی نے یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صورت پیدا کر دی کہ مسجد حرام کے باب بنی شیبہ سے جو شخص پہلے داخل ہو اُسے اپنے جھگڑے کا حکم مان لیں، لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی اس کے بعد سب سے پہلے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور کہنے لگے: ''ھذا الامین''[۲] یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جو امین ہیں ہم سب ان کے فیصلے پر راضی ہیں۔ حضرت پیر کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۹۸ء)

فرماتے ہیں کہ اہل مکہ حضور ﷺ کے صدق مقال، حسن معاشرت اورصفت دیانت وامانت سے اتنے متأثر تھے کہ حضور ﷺ کو الصادق والامین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام صدیقیت پر فائز ہونے کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے جیسا کہ فرمایا گیا:

وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ أُولٰئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (سورۃ الزمر: ۳۳)

اور جو شخص سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہ لوگ ہی تو متقی ہیں۔

علماءِ مفسرین کے نزدیک اس آیت میں (وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ) سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور (وَصَدَّقَ بِہٖ) سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔(۴)

اسی طرح سورت اللیل میں مقام صدیقیت کے ان اوصاف یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنا، تقویٰ اور ہر بھلائی کی تصدیق کرنا کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان اوصاف کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بدرجہ اولیٰ متصف تھے اسی لیے مفسرین کرام کی کثیر تعداد اس بات پر متفق ہے کہ اس سورت کی آخری آیات کے مصداق آپ ہی ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد احادیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس مقام کو اہل ٹھہرایا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار جبل اُحد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنھم تشریف فرما تھے تو پہاڑ فرحت ومسرت سے جھومنے لگا، اس کی اس حرکت پر رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اُثْبُتْ اُحد: فَاِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِیٌّ وَصِدِّیْقٌ وَشَھِیْدَانِ"(۵)

اے اُحد ٹھہر جا! تم پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

اس حدیث میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو ان کے اس روحانی منصب کے حوالے ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت نزال بن سبرۃ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے عرض کی کہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ بیان فرمائیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" ذاک امرا سمّا ہ اللہ صدّیقاً علی لسان جبریل و محمد صلی اللہ علیہ وسلم"(۶)

آپ وہ شخصیت ہیں جن کا لقب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے "الصدیق" رکھا۔

اسی طرح حکیم بن سعید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حلفاً یہ فرماتے ہوئے سنا:

واللہِ اَنْزَلَ اسْمَ أَبِیْ بَکْرٍ مِنَ السَّمَآ الصِدِّیْقُ (۷)

اللہ کی قسم! ابوبکر کا نام آسمان سے الصدیق نازل ہوا ہے۔

بہر حال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کمال ایثار، کمال توکل، زہد وتقویٰ خوف ورجا اور فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کے مقام کے حامل تھے۔ حضرت شیخ داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ آپ رضی اللہ عنہ کو مسلک تصوف کا امام قرار دیتے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زہد وفقر کے مرقع تھے۔ صبر وتوکل میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت علی المرتضی استغراقِ عبادت، سادگی، فقر، رضاء الٰہی اور معرفت الٰہی میں ممتاز نظر آتے ہیں، حضرت عباد بن عبداللہ سے مروی حدیث میں اسی لیے آپ نے اپنے بارے میں خود فرمایا:

اَنَا عَبْدُ اللہِ وَ أَخُوْ رَسُوْلِہٖ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ اَنَا الصدِّیْقُ الْاَ کْبَرُ (۸)

میں اللہ تعالیٰ کا بندہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سلسلہ صدیقیہ (جو اب سلسلہ نقشبندیہ کے نام سے معروف ہے) کا آغاز ہوا جب کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سلسلہ جنیدیہ کا آغاز ہوا جس سے موجودہ سلسلہ قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ کا آغاز ہوا۔

تصوف کا دوسرا دور جو ۳۴ھ سے ۱۵۰ھ تک تابعین پر مشتمل ہے میں اصحاب تصوف کی یہ دو ہستیاں بہت نمایاں ہیں۔

اول: حضرت اویس قرنی (م ۳۷ھ) جن سے تصوف میں اویسی نظریہ کی بنیاد قائم ہوئی۔

دوم: حضرت ابوسعید الحسن بن ابی حسن البصری (م ۱۱۰ھ) آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فیض یافتہ ہیں۔ (۹)

تصوف کا تیسرا دور تبع تابعین کا دور ہے جو ۱۵۱ھ سے ۳۵۰ھ پر مشتمل ہے۔ اس دور میں صوفیہ کی کثیر تعداد موجود تھی جن میں دوسری صدی کی معروف شخصیت حضرت ابوالہاشم صوفی کوفی ثم شامی (حضرت ذوالنون مصری (م ۲۴۵ھ)، حضرت بایزید بسطامی (م ۲۶۱ھ)، حضرت جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) زیادہ معروف ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا عہد پانچویں صدی ہجری کا ہے آپ نے کشف المحجوب کے چودھویں باب میں اپنے دور تک اہل طریقت کے جن دس مذاہب اور ان میں امتیازی فرق کو بیان کیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ محاسبی مذہب ۲۔ طیفوری مذہب ۳۔ فرقہ قصاری مذہب

۴۔ خزاری مذہب ۵۔ سہیلی مذہب ۶۔ حکیمی مذہب

۷۔ نوری مذہب ۸۔ جنیدی مذہب ۹۔ خفیفی مذہب

۱۰۔ سیاری مذہب

عموماً مذہب کا لفظ فقہی حوالے سے استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس مقالے کا عنوان مذاہب طریقت اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ حضرت علی بن عثمان داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں طریقت کے فرقوں کے لیے مذہب کا لفظ بھی استعمال کیا ہے جیسے آپ نے اپنے شیخ حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی (م ۴۶۰ھ) کے تذکرہ میں فرمایا کہ آپ تصوف میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب رکھتے تھے۔اسی طرح آپ نے فرقہ سہیلیہ کے تعارف میں لکھا:

> پھر مجاہدات کے متعلق صوفیہ کے مذاہب اور ان کے احکام لکھوں گا تا کہ طالبِ معرفت پر دونوں باتیں ظاہر ہوجائیں اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے۔[(۱۰)]

۱۔محاسبی مذہب:

اس مذہب کی نسبت حضرت ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۴۳ھ) کی طرف ہے۔آپ علم، ورع، معاملات اور حال کے اعتبار سے اپنے زمانے میں بے نظیر تھے،علم تصوف میں آپ کی تصنیف کا نام رغائب ہے،آپ ہرفن میں بلند مرتبہ مقام رکھنے کی بنا پر بغداد میں شیخ المشائخ کہلاتے ،آپ اصلاً بصرہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن آپ کی وفات بغداد میں ہوئی۔[(۱۱)]

آپ اپنے زمانے میں مقبول النفس اور قاطع النفس تھے۔آپ کا کلام توحید خالص کے حقائق اور اس کے اصول وفروع کے بیان میں ہے۔آپ کے تمام ظاہری و باطنی معاملات صحیح و درست تھے۔مقام رضا اس فرقہ کی خصوصیت ہے۔حضرت علی بن عثمان داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رضا کی دو صورتیں ہیں اللہ تعالیٰ کا بندے سے راضی ہونا اور بندے کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا۔مقام رضا کا خلاصہ یہ ہے کہ منع وعطا کی دونوں حالتوں میں انسان کا دل یکساں رہے اور جلال و جمال کے نظارے میں اس کا باطن مضبوط و مستحکم رہے خواہ وہ منع سے روک دیا جائے یا عطا میں آگے بڑھایا جائے۔رضا کے معاملے میں علماء کے چار افکار ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عطا پر راضی ہونا یہ معرفت ہے۔

۲۔ نعمتوں پر راضی ہونا یہ دنیا کے اندر ہے۔

۳۔ مصائب وابتلاء میں راضی ہونا یہ مختلف قسم کی مشقتیں ہیں۔

۴۔ برگزیدگی پر راضی ہونا، یہ محبت ہے۔

امام محاسبی کے مذہب کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ رضائے الٰہی کو مقامات کے قبیل سے نہیں مانتے تھے بلکہ ازقسم احوال طریقت سمجھتے۔ اس ضمن میں آپ فرماتے ہیں:

''الرضا سکون القلب تحت مجاری الاحکام''

احکام الٰہی کے اجر پر سکون قلب کا نام رضا ہے۔

اس جائزے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس مذہب محاسبیہ کی طرف سے کسی بنیادی یا اصولی اختلاف کو پیش نہیں کیا گیا البتہ صوفی کے احوال سے متعلق فروعی اختلاف ہے۔

۲۔طیفوری مذہب:

ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بِسطامی (م۲۶۱ھ) کی طرف مذہب طیفوریہ منسوب ہے، یہ سلسلہ پہلے ''سلسلہ صدیقیہ'' کے نام سے موسوم تھا لیکن آپ کے دور میں اس کا نام ''سلسلہ طیفوریہ'' ہوگیا، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار تصوف کے دس ائمہ میں ہوتا ہے۔ آپ کے دور میں اگرچہ کئی معروف صوفیہ تھے جن میں حضرت ذوالنون مصری (م ۲۴۵ھ) معروف ہیں جب کہ آپ کے شیخ کا نام شیخ کُردی تھا۔[۱۲]

آپ فرماتے ہیں کہ تیس سال میں مجھے معرفت الٰہی تک رسائی ہوئی۔[۱۳] مولانا جامی کے نزدیک آپ کے دل میں آپ کے شیخ کا اتنا ادب تھا کہ وصال سے پہلے آپ نے وصیت کی کہ اُن کی قبر اُن کے شیخ کی قبر سے نیچی رکھی جائے۔ آپ شریعت میں کسی امام کے مقلد نہیں تھے بلکہ صاحب قیاس واجتہاد تھے۔[۱۴]

لیکن آپ کی روحانی تربیت حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے اویسی طریقہ سے ہوئی۔ آپ کے بارے حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں ''ابو یزید منا بمنزل جبرئیل من الملائکتہ'' صوفیہ میں ابو یزید کی مثال یوں ہے جیسے فرشتوں میں جبریل علیہ السلام کی۔[۱۵] آپ صاحب غلبہ اور صاحب سُکر (فنا فی الذات) تھے یعنی شوق الٰہی کے غلبہ و مدہوشی میں اور سُکر میں آپ محو رہتے۔ غلبہ اور سکر کے بارے حضرت دا تا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجاہدے ہر لحاظ سے عمدہ اور بہتر ہیں لیکن غلبہ اور سکر دونوں انسان کے کسب و اختیار میں نہیں ہیں۔ حضرت ابو یزید کے نزدیک سکر کو صحو پر فضیلت حاصل ہے۔ اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے

کہ حضرت داؤدعلیہ السلام حالت صحو میں تھے اس لیے اُن کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے اُنہی کی طرف منسوب کیا اور فرمایا: {قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ} [سورۃ البقرۃ:۲۵۱] داؤد نے جالوت کو قتل کیا۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت سُکر میں تھے اس لیے آپ کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا اور فرمایا:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمیٰ (سورۃ الانفال:۱۷)

جب آپ نے اپنی مشت خاک پھینکی وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

سکر اور صحو میں دو مکاتب فکر ہیں لیکں ان کے درمیان اعتدال کے تصور کو داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح دُور فرمایا:

کہ مردان خدا کی جائے اقامت میں صحو وسکر اختلاف سبب کی وجہ سے معلول ہوتا ہے لیکن جب سلطان حقیقت اللہ رب العزت اپنا جمال دکھا دے تو صحو وسکر دونوں طفیلی رہ جاتے ہیں اس لیے کہ ان دونوں کی کنارے اور سرحدیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اور ہر ایک کی انتہا میں دوسرے کی ابتدا شامل ہے، ابتدا وانتہا سوائے تفرقہ کے کچھ نہیں ہے چونکہ ان کی نسبت تفرقہ سے ہے اس لیے حکم میں دونوں برابر ہیں اور دو نفی جمع کرنے سے تفرقہ ہی ہوتا ہے۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ تصوف کے معاملات میں ان کا مذہب مطلقاً ترکِ صحبت اور عزلت نشینی اختیار کرنا ہے اور وہ اپنے مریدوں کو اسی کی تلقین کرتے تھے۔ آپ کا شجرہ طریقت یوں تھا کہ آپ حضرت امام جعفر بن صادق الملقب بہ محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ بن علی رحمۃ اللہ علیہ بن الحسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ (م ۱۴۸ھ) سے اویسی طریقہ سے فیض یافتہ تھے۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے علاوہ حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ بن محمد رضی اللہ عنہ بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (م ۱۰۶ھ)، حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (م ۳۳ھ) سے اور آپ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (م ۱۳ھ) سے فیض یافتہ تھے۔

اس مذہب میں اویسیت، ملامت، سکر، جذب، غلبہ، خلوت اور علیحدگی کے عناصر کا غلبہ تھا۔ صوفیہ اور مشائخ نے بسطامی طریق تصوف کو ہمیشہ اعلیٰ مقام دیا اور حضرت بایزید کو سلطان العارفین کا لقب دیا۔ (۱۶)

حضرت بایزید پر سُکر کا غلبہ تھا اس لیے اس حالت میں بعض ایسے کلمات آپ کے منہ سے نکلے جن پر علماء ظاہر کو اعتراض ہوا۔ اُن میں سے چند یہ ہیں:

"سبحانی ما اعظم شأنی"

یعنی میں پاک ہو اور میری شان کتنی بلند ہے۔ "میرے لیے تیری اطاعت، تیرے لیے میرے اطاعت سے بڑھ کر ہے" "میں ہی عرش ہوں میں ہی اُس کا پایہ" "میں لوح محفوظ

ہوں"، "میں نے کعبہ کو اپنے ارد گرد طواف کرتے دیکھا"، " اللہ کی قسم قیامت کے روز میرا جھنڈا حضور کے جھنڈے سے بہت بڑا ہوگا۔ (۱۷)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ نے یہ کلمات عام لوگوں کے سامنے نہیں کہے بلکہ خلوت میں سُکر کے دوران آپ کے منہ سے نکلے اور آپ کے چند ساتھیوں نے انہیں سُنا۔(۱۸) اس سلسلہ کے بعض تصورات کے بارے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۴ھ) نے بہت سی اصلاحات کیں۔

۳۔قصاری مذہب:

تصوف کے اس مذہب کے بانی ابوصالح بن حمدون بن احمد بن عماری قصار (م ۲۷۱ھ) ہیں۔آپ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے متبع اور حضرت ابوتراب نخشبی کے مُرید تھے، سلوک کے تمام معاملات میں آپ کے اشارات موجود ہیں۔نیشاپور کے تمام اکابرین آپ کے رُشد و ہدایات کے منتظر رہتے لیکن آپ سب سے یہ فرماتے کہ ابھی میرا دل دنیا اور حصولِ مرتبت سے خالی نہیں ہوا ہے اس حال میں میرا وعظ کرنا سود مند نہ ہوگا۔(۱۹) تصوف میں ان کا مسلک ومشرب ملامت کی اشاعت اور درویشوں کی خدمت اور ان کی تعظیم ہے۔(۲۰) آپ کے نزدیک ملامت میں خلوص ومحبت کی بہت بڑی تاثیر اور لذت کامل پوشیدہ ہے۔اہل حق مخلوق کی ملامت کے لیے مخصوص ہیں، ملامت کی دلیل اُنے کے نزدیک قرآن حکیم کی یہ آیت ہے:

وَلَا يَخَا فُوْنَ لَوْ مَةَ لَائِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (سورۃ المائدۃ: ۵۴)

وہ مومن زبان درازوں کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ کا علم وسیع ہے۔

ملامت تصوف میں ایک مقام ہے جس کے بارے متعدد نظریات میں جس کا ذکر کشف المحجوب کے چھٹے باب میں کیا گیا ہے۔اس باب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے اکابر صوفیہ نے بھی مخلوق سے اپنے کو چھپانے کے لیے ملامتی افعال کا سہارا لیا ان میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ملتا ہے۔اگرچہ ملامت کو جزوی طور پر متعدد صوفیہ نے اختیار کیا لیکن تاریخ اسلام میں یہ فرقہ باقاعدہ طور پر اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکا۔

۴۔خرازی مذہب:

حضرت ابوسعید احمد بن عیسیٰ خراز بغدادی (م ۲۷۷ھ) بغداد کے رہنے والے تھے اور اس مذہب

کے بانی ہیں،آپ نے حضرت ذوالنون مصری (م ۲۴۵ھ)، بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۲۷ھ) اورسرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۵۷ھ) کی صحبت سے مستفید ہوئے۔آپ سفینۂ توکل ورضا،سالک طریق فنا تھے آپ نے سب سے پہلے طریقِ فنا و بقا کی تعریف الفاظ میں کی۔(۲۱) حضرت ابوسعید کے نزدیک فنا سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنی بندگی کی دید سے فانی ہواور بقا یہ ہے کہ وہ مشاہدہ الٰہی سے باقی ہو۔(۲۲)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل طریقت کے نزدیک فنا و بقا سے متصف وہ حضرات ہیں جو جو مجاہدے کی مشقت سے آزاد ہیں اور مقامات کی قید سے اور احوال کے تغیر سے نجات پا کر حصولِ مقصود میں فائز المرام ہو چکے ہیں۔ان کے دیکھنے کی تمام صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ وابستہ ہیں۔آپ مزید فرماتے ہیں کہ فنا و بقا کے علم کا قاعدہ اخلاص ووحدانیت پر چونکہ جب بندہ حق تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو حکم الٰہی میں مغلوب و مجبور دیکھتا ہے اور جو مغلوب ہوتا ہے وہ غالب کے غلبہ میں فانی ہوتا ہے،جس وقت اس کی فنا درست ہو جاتی ہے اور اپنے عجز کا اقرار کرتا ہے تب وہ بجز بندگی کے کچھ نہیں دیکھتا اور اپنی تماصلاحییتں بارگاہ الٰہی میں گم کر دیتا ہے۔جو کوئی فنا و بقا کی اس کے سوا تعریف کرے اور وہ فنا کو ذات کی فنا اور بقا کو بقائے حق سے تعبیر کرے تو وہ زندیق ہے اور یہ مذہب نصاریٰ کا ہے۔(۲۳)

اس بحث سے یہ واضح ہوتا کہ حضرت خراز رحمۃ اللہ علیہ نے کسی مخصوص طریقہ تصوف کی بنیاد نہیں رکھی البتہ صرف مقامات تصوف میں سے ایک مقام فنا و بقا کی وضاحت کی۔اس لیے آپ کا مذہب باقاعدہ فرقہ کے طور پر پروان نہیں چڑھ سکا۔

۵۔سہیلی مذہب:

ابومحمد سہل بن عبداللہ تستری (م ۲۸۳ھ) کا تعلق تُستر سے ہے آپ نے چھ یا سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا،آپ ابتدائی عمر ہی میں مجاہدات میں مشغول ہو گئے آپ جَو کی روٹی کے ساتھ ایک سال بھر روزہ رکھنے لگے،اس کے بعد آپ بصرہ آ گئے لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد واپس تُستر آ گئے۔اس دوران آپ کے مجاہدہ کا عالَم یہ تھا کہ ایک درہم کا آٹا سال بھر کھاتے۔آپ کا یہ قول بہت معروف تھا کہ ہر وہ فعل جسے انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کے بغیر کرے خواہ وہ عبادت ہو یا معصیت وہ نفس کی زندگی ہے اور ہر وہ فعل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں کرے وہ نفس کے لیے عذاب ہے۔(۲۴) بہر حال آپ شریعت اور طریقت کے جامع تھے۔

آپ نے ایک بار اپنے ایک مرید سے فرمایا کہ خوب جد وجہد کرو یہاں تک کہ ایک روز تمام دن یا اللہ یا اللہ ہی کہتے رہو، دوسرے اور تیسرے روز بھی یہی ورد جاری رہے، اس کے بعد فرمایا کہ اب دن کے ساتھ رات کو بھی شامل کرلو اور یہی کہتے رہو، چنانچہ مُرید نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ مُرید خواب میں بھی یہی کہتا تھا حتّٰی کہ اس کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ ہمہ وقت اسی میں مستغرق رہنے لگا۔ ایک دن ان کے سر پر ایک وزنی لکڑی گری اور اُس نے اس کا سر پھاڑ دیا، سر سے خون کے قطرے ٹپک کر زمیں پر گرتے تھے اور وہ بھی اللہ اللہ لکھتے جاتے تھے۔ اس طرح آپ جس طریقہ کے بانی ہیں اس کی خصوصیت اجتہاد، مجاہدہ نفس اور ریاضت شاقہ ہے۔ آپ اپنے مریدین کو مجاہدے سے درجہ کمال تک پہنچا دیتے۔ (۲۵)

۶۔نوری مذہب:

ابوالحسن احمد بن محمد نوری (م ۲۹۵ھ) مذہب نوریہ کے پیشوا تھے۔ آپ کے مذہب میں فقر پر تصوف کو فضیلت دیتے۔ اس مذہب میں صاحب حق صحبت میں اپنے حق کا ایثار کرتے اس لیے کہ وہ بغیر ایثار کے صحبت حرام جانتے، ان کے نزدیک گوشہ نشینی شیطان کی ہم نشینی ہے اس لیے وہ اس کی بجائے درویشوں کی صحبت کو بہتر جانتے مزید یہ کہ ہم نشیں کا دوسرے ہم نشیں کے لیے ایثار بھی فرض ہے۔ باقی معاملات میں آپ حضرت جنید بغدادی کے مذہب کے موافق ہے۔ آپ کو نوری اس لیے کہا جاتا کہ اندھیرے گھر میں جب وہ بات کرتے تھے تو ان کے باطن کے نور سے وہ گھر روشن ہوجاتا۔ اور یہ کہ وہ مریدوں کے اسرار کو نورحق سے معلوم کر لیتے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اُن کے بارے فرمایا کرتے تھے کہ ابوالحسن تو دلوں کا جاسوس ہے۔ (۲۶)

۷۔جنیدی مذہب:

جنید بن محمد ابو القاسم (۲۹۷ھ) اس سلسلہ جس کا دوسرا نام طریقۂ عراقی ہے کے بانی ہیں۔ جن کا سلسلہ طریقت یوں تھا حضرت جنید بغدادی مرید تھے حضرت شیخ سرّی سقطی (م ۲۵۷ھ) کے، آپ مُرید تھے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۰ھ) کے آپ حضرت داؤد طائی (م ۱۶۵ھ) کے مرید تھے۔ آپ حضرت حبیب عجمی (م ۱۵۶ھ) کے مرید تھے اور آپ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر توبہ کی اور حضرت حسن بصری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اویسی طریق سے فیض یافتہ تھے۔ آپ کا فرقہ طیفوری مذہب کے برعکس صحو پر مبنی تھا، اس کے علاوہ اس فرقہ میں پابندیٔ شرع، جلوت، رفاقت اور موجود مُرشد کو ضروری قرار

دیا گیا، انہی خصوصیات کی بنا پر علماء نے عراقی تصوف کو تسلیم کیا اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ الطریقت کا لقب دیا۔ باطن کا مراقبہ جنیدیوں کا امتیاز ہے اس میں ریاضت ومجاہدہ فائدہ مند نہیں ہوتا۔ [۲۷]

۸۔ حکیمی مذہب:

ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی (م ۳۲۰ھ) کا تعلق ترمذ شہر سے تھا، آپ علوم دینیہ میں کامل دسترس رکھتے تھے، نوادرالاصول فی معرفۃ اخبار الرسول آپ کی فن حدیث میں معروف تصنیف ہے، آپ بہت سے مناقب کے حامل تھے آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کی مصاحبت کا بھی شرف حاصل رہا، آپ کے مرید حضرت ابوبکر محمد بن عمر اوراق رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۴۷ھ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام ہر اتوار کو آپ کے پاس آتے اور ایک دوسرے کے حالات وواقعات دریافت کرتے۔ [۲۸] آپ کے صحبت میں رہنے والوں میں حضرت ابوتراب عسکر بن حسین نخشبی (م ۲۴۵ھ)، احمد بن خضرویہ بلخی (م ۲۴۰ھ) اور احمد بن یحییٰ ابن جلاء (م ۲۵۸ھ) معروف ہیں۔ [۲۹]

مذہب حکیمیہ کی خصوصیت اثبات ولایت اور اس کے قواعد ودرجات کا بیان ہے۔ آپ حقیقت کے معانی اور اولیاء کے درجات اس ترتیب اور ایسے انداز سے واضح فرماتے جس میں بکثرت عجیب وغریب باتیں ہوتیں آپ ہر شخص کو یہ بتانا چاہتے کہ اولیاء اللہ کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں برگزیدہ کر کے ان کی ہمتوں کو متعلقات سے جدا کر کے اور نفس وہوا کے ہر داعیہ سے منزہ بنا کر کسی نہ کسی درجہ پر فائز فرماتا ہے۔ اس ضمن میں اثبات ولایت اور اس ضمن میں مزید عنوانات مثلاً لفظ ولی کی تحقیق، نام ولی کے اطلاقات، اولیاء کی اقسام، ولایت کے رموز واشارات، اثبات کرامت، اولیاء پر انبیاء کی فضیلت، فرشتوں پر انبیاء واولیاء کی فضیلت اور مقامات تصوف میں سے تفرقہ وجمع کی صورت پر بحث کی ہے۔ [۳۰]

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے علم تصوف سے متعلق اپنے نظریات کو پیش کیا ہے جب کہ طریقہ سلوک میں کسی خاص پہلو کا ذکر نہیں کیا۔

۹۔ سیاری مذہب:

حضرت ابوالعباس قاسم بن مہدی سیاری (م ۳۴۲ھ) سیاری مذہب کے بانی ہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے امام اور علوم ظاہر اور فنون حقائق کے عالم تھے۔ آپ حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۲۱ھ) کے صحبت یافتہ ہیں۔ آپ مرو کے علاقے کے ایک بڑے رئیس تھے، وراثت میں آپ نے بہت دولت پائی

لیکن کثیر مال دے کر آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو موئے مبارک حاصل کیے جن کی برکت سے آپ کو سچی توبہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مرو اور شہر نساء آپ کے مریدین کی کثیر تعداد تھی، آپ کی وصیت کے مطابق وہ موئے مبارک آپ کے وصال کے بعد آپ کے منہ پر رکھ دیے گئے۔ مرو کے مقام پر ہی آپ مدفون ہیں۔ (۳۱)

آپ نے بھی مقامات تصوف میں سے ایک مقام جمع وتفرقہ کے بارے اپنا ایک نظریہ پیش کیا۔ علم التصوف میں جمع سے مراد اپنے اوصاف کے ساتھ جمع ہونا اور تفرقہ سے مراد اپنے افعال سے جدا ہونا ہے۔ اس ضمن میں صوفیہ کے مختلف اقوال بھی منقول ہیں جن کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ صاحب عوارف نے کیا ہے۔ (۳۲)

۱۰۔ خفیفی مذہب:

ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی (م ۳۹۱ھ) مذہب خفیفی کے بانی ہیں، آپ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ کی توفیق ورحمت سے بادشاہت چھوڑ کر راہِ طریقت اختیار کی۔ متعدد علوم میں تبحر علمی رکھتے۔ آپ کی تصانیف سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے ابن عطا، حضرت ابو بکر بن دلف جحدر شبلی (م ۳۴۱ھ)، حسین بن منصور (م ۳۰۹ھ)، اور حضرت ابو محمد بن احمد بن حسین حریری (م ۳۱۱ھ) اور مکہ مکرمہ میں حضرت ابو یعقوب اسحاق بن محمد النہرجوری (م ۳۳۰ھ) کی صحبت پائی۔ آپ نے مجرد رہ کر خوب سیاحت کی۔ آپ متعدد کتب کے مصنف ہیں، آپ پاکیزہ نفس اور اعلیٰ صفات کے حامل تھے نفسانی خواہشات پر مکمل کنٹرول کرتے۔

تصوف میں آپ کے مذہب کی خصوصیت غَیبت اور حضور کا تصور ہے۔ یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں، حضور سے مراد حضور قلب جو یقینی ولایت کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کے لیے غیبی حکم عینی حکم کی مانند ہو جائے جبکہ غَیب سے مراد ماسوی اللہ کا دل سے غائب ہونا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو کر اپنی غَیبت سے بھی غائب ہو جائے اور اپنی غیبت کو بھی وہ خود نہ دیکھ سکے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ رسمی حکموں سے بھی کنارکش ہو۔ بہر حال اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے اور حق سے حضوری اپنے سے غیبت ہے۔ جو شخص اپنے سے غائب ہو گیا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ گیا اور جو حق تعالیٰ میں حاضر ہو گیا وہ اپنے سے غائب ہو گیا کیونکہ دل کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جب کسی جذبہ حق سے طالب کا دل مغلوب ہو جائے تو اس کے

نزدیک دل کی غَیبت حضور کی مثل ہو جاتی ہے اور دل سے شرکت وقسمت اُٹھ جاتی ہے اور اپنے سے بھی نسبت منقطع ہو جاتی ہے۔

صوفیہ میں اس بارے اختلاف ہے کہ ان میں سے مقدم اور مؤخر کیا ہے یا کون کس پر راجح ہے؟ اس ضمن میں مذہب خفیفیہ کے علاوہ محاسبی، جنیدی، سہیلی، قصاری مذہب کے لوگ حضور کو غیب سے مقدم قرار دیتے ہیں اس لیے کہ تمام خوبیاں حضور میں حاصل ہوتی ہیں اور اپنے سے غَیبت تو حضور حق کا راستہ ہے۔ غیبت کا فائدہ توحضور ہے بےحضور غَیبت دیوانگی اور مغلوبیت ہے۔حضرت جنید بغدادی کے نزدیک غَیبت میں حجاب کی وحشت اور حضور میں مشاہدے کی راحت ہے۔ جب کہ اہل عراق کی ایک جماعت غَیبت کو حضور پر فوقیت دیتی ہے۔ (۳۳)

تصوف کے ان مذاہب کے ذکر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان میں اصولی اختلاف نہیں تھا بلکہ فروعی اختلاف تھا جس کی کوئی بنیادی وجہ یا کوئی بڑا سبب نہیں بلکہ اپنے احوال وتجربات ہیں۔ چونکہ اس وقت دیگر علوم کی طرح علم التصوف بھی اپنے ارتقائی مراحل میں تھا اس لیے دیگر علوم کے ائمہ میں اختلاف ہونے کی طرح اس علم میں بھی اختلاف کا ہونا ایک فطری امر تھا۔اس اختلاف کے قرآن وحدیث کے دلائل کے علاوہ صوفیہ کے اپنے احوال بھی ہیں۔

جس طرح دوسری صدی ہجری میں ہمیں متعدد فقہی مذاہب نظر آتے ہیں جیسے مذاہب اربعہ (مالکی، حنفی، شافعی اور حنفی) کے علاوہ مذہب اوزاعی، مذہب ظاہری اور مذہب ابوثور وغیرہ لیکن ان میں صرف مذاہب اربعہ ہی جاری رہے باقی مذاہب مُردہ ہو گئے۔اسی طرح تصوف میں بھی اس وقت کے دس اہم مذاہب کا ذکر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں کیا لیکن ان میں سے صرف مذہب طیفوریہ اور مذہب جنیدیہ کو دوام حاصل ہوا، ان میں سے مزید چند سلاسل وجود میں آئے جیسے حضرت ابوالجنّاب احمد بن عمر نجم الدین کبریٰ (م ۶۱۸ھ) سے سلسلۂ کبرویہ، مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۳ھ) سے سلسلۂ مولوی اور حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار نقشبندی (م ۸۰۲ھ) سے ایک مخصوص طریقہ طریقت کو ''طریقہ علائیہ کہا جانے لگا لیکن یہ سلسلے اور طریقے اپنے منفرد وجود قائم نہ رکھ سکے بلکہ اپنے اصل طریقہ سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔اب ان دو مذاہب کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے ۔

طیفوری مذہب:

مذہب طیفوریہ کی نسبت حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے۔اس سلسلہ کا آغاز حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوا لیکن اس کی ترویج ایران و بخارا میں ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بابت حضور داتا صاحب فرماتے ہیں کہ مشائخ طریقت اور صاحبانِ علم وعرفان میں آپ کو مقدم رکھا۔ آپ مشاہدے کے مقام پر فائز تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دنیا کی فراخی کی دعا لیکن ساتھ ہی اس سے محفوظ رکھنے کی التجا کے اُسے اس کی راہ میں خرچ کرنے کی درخواست بھی اور یہ مقام شکر، صبر اور فقر اختیاری ہے۔ آپ نے اپنے اس عقیدہ کو بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رتبہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل و مقدم ہے اور یہ جائز نہیں کہ کوئی ان سے آگے قدم رکھے کیونکہ آپ نے فقر اختیاری کو فقر اضطراری پر مقدم رکھا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ بندہ کو کمال صدق پر فائز کر کے عزت ومنزلت کے مقام پر متمکن فرماتا ہے تو بندہ صادق منتظر رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم ہوتا ہے، اگر فرمان آئے فقیر ہو جا تو وہ فقیر ہو جاتا ہے اور فرمان آئے امیر ہو جا تو امیر بن جاتا ہے۔ اس میں وہ اپنے تصرف واختیار کو کام میں نہیں لاتا آپ نے ابتداء میں بھی ویسے ہی تسلیم ورضا کو اختیار فرمایا جس طرح انتہا میں اختیار فرمایا۔ صوفیہ نے ترک دنیا اور حرص ومنزلت کے چھوڑنے کو فقر پر اور ترکِ ریاست کی تمنا کو اس لیے پسند کیا کہ دین میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے امام عام ہیں اور طریقت میں آپ تمام صوفیہ کے امام خاص۔ (۳۴)

آپ سے تصوف کے ان خصائص کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اخذ کیا اور ان سے اس طریقہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ (۳۵) نے حاصل کیا۔ ان سے یہ سلسلہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے آگے بڑھا۔ آپ سے یہ فیض حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اویسی طریق سے حاصل کیا۔ اس طرح مذہب طیفوریہ کو نسبت صدیقی کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت نسبی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاندان سے بھی نسبت ہو گئی جو کہ اس سلسلہ عالیہ کی خصوصیت ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایرانی سے اس مذہب کو طیفوری نسبت ملی اور اس فکر کو بسطامی یا خراسانی فکر کا نام بھی دیا گیا جس میں ملامت وسکر، جذب، غلبہ، خلوت، اویسیت اور علیحدگی کے عناصر کا غلبہ تھا۔ آپ کے بعد حضرت ابوالحسن خرقانی ایرانی (م ۴۲۵ھ) نے بطریق اویسیت آپ سے کسب فیض حاصل کیا اور آپ اس سلسلہ کی مجاز شخصیت حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۹ھ) نے ایک طرف حضرت ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کیا اور دوسری طرف آپ تین واسطوں سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیض یافتہ ہوئے اس طرح آپ نے نے اس سلسلہ میں جنیدی یا عراقی رجحان بھی شامل کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سلسلہ کے صوفیہ جہاں جذب، غلبہ اور احوال کے ذریعے سلوک کی منازل جلد طے کرتے

وہاں ہوش اور کتاب وسنت کی سختی سے پیروی بھی ان کے مزاج کا جز و بن گئی۔ بالآخر یہ سلسلہ انہی خصوصیات کی بنا پر تصوف کی دنیا میں منفرد اور نمایاں ہوتا گیا۔[۳۶] آپ کے بعد حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی طوسی ایرانی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۷۰ھ) اور ان سے حضرت خواجہ ابویعقوب یوسف ہمدانی ایرانی (م ۴۴۱ھ) اور حضرت خواجہ خواجگان عبدالخالق غُجد وانی بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۷۵ھ) نے سلسلہ خواجگانیہ کو جاری رکھا۔ حضرت ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات بھی ہوئی۔[۳۷]

حضرت عبدالخالق غجد وانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آنے والی ان شخصیات (حضرت خواجہ عارف رِیوگری بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۱۶ھ)، خواجہ محمود انجیر فغنوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۴۳ھ)، حضرت خواجہ عزیزاں علی رامیتنی بخاری (م ۷۱۵ھ)، حضرت خواجہ محمد بابا سماسی بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۵ھ)، حضرت خواجہ امیر کلال سوخاری بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۷۷۲)ھ) کے بعد عظیم روحانی شخصیت حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۱ھ) سے یہ سلسلہ نقشبندیہ جاری ہوا۔ بہرحال یہ سلسلہ ان ادوار اور ان ناموں سے تزکیہ نفس کے نبوی فرض کو ادا کرتا رہا اور تا حال ادا کر رہا ہے۔

۱۔ سلسلہ صدیقیہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تا حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ۱۱ھ تا ۲۶۱ھ

۲۔ سلسلہ طیفوریہ: حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تا حضرت عبدالخالق غجد وانی رحمۃ اللہ علیہ ۲۶۱ھ تا ۵۷۵ھ

۳۔ سلسلہ خواجگانیہ: حضرت عبدالخالق غجد وانیؒ تا حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۵۷۵ ھ تا ۱۰۱۲ھ

۴۔ سلسلہ نقشبندیہ: حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ تا حال

جنیدی مذہب:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں دوسری عظیم شخصیت جن سے علم تصوف اور تزکیہ نفس کے طریقے با قاعدہ آگے بڑھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہیں۔ اُن سے حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ بغدادی (م ۱۵۶ھ) نے، اُن سے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۶۵ھ)، اُن سے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۰ھ)، اُن سے حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ ۲۵۳)ھ) اور آپ سے سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۹۷ھ) نے کسب فیض کیا۔ آپ کے بعد یہ طریقہ جنیدی مذہب کے نام سے موسوم ہوا جس کا مرکز عراق کا شہر بغداد تھا۔

آپ کے بعد حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۳۴ھ)، حضرت شیخ عبدالواحد تمیمی (م ۴۲۵ھ) حضرت شیخ ابوالفرج طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۴۷ھ)، حضرت شیخ ابوالحسن ہکاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۹۶ھ)، حضرت شیخ ابوسعید

مخزومی (م ۵۱۳ھ) اور آپ کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶۱ھ) سے سلسلہ قادریہ کے نام سے اب تک جاری ہے۔ (ان بزرگوں میں جناب طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ سب کا تعلق بغداد سے تھا)۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مُرید حضرت خواجہ ابوالفضل عبدالواحد بصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۷۷ھ) سے ایک اور سلسلہ جاری ہوا جس میں آپ سے حضرت فضیل بن عیاض مکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۷ھ)، آپ سے حضرت ابراہیم بن ادہم شامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۸۰ھ) نے، آپ سے حضرت سید سدیدالدین حذیفہ شامی المرعشی (۲۵۲ھ) نے، آپ سے حضرت امین الدین ابوہیرہ بصری (م ۲۸۷ھ) نے، آپ سے حضرت ممشاد علی دینوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۹۹ھ) نے اور آپ سے شیخ خواجہ ابواسحاق چشتی شامی (م ۳۲۹ھ)[۳۸] فیض یاب ہوئے جن سے سلسلہ چشتیہ کا آغاز ہوا جس کے زیادہ بزرگوں کا تعلق شام سے تھا۔

حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور سلسلہ کا اس طرح آغاز ہوا کہ آپ کے ایک مُرید حضرت احمد اسود دینوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۴۰ھ) سے حضرت شیخ ابومحمد عمویہ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۳ھ) نے، ان سے حضرت قاضی وجیہ الدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۲ھ) نے، ان سے حضرت ضیاء الدین ابونجیب عبدالقاہر سہروردی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ۵۶۳ھ)[۳۹] نے اکتساب فیض کیا جن سے بغداد ہی میں سلسلہ سہروریہ کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ تاحال قائم ہے۔

مذاہب تصوف کی اس ارتقائی تاریخ سے یہ واضح ہوتا کہ کہ یہ سلاسل دو صحابہ کرامؓ تک منتہی ہوتے ہیں۔ لیکن اس وقت تک جنیدی مذہب کی متعدد تعلیمات سلسلہ نقشبندیہ میں شامل ہو چکی ہیں۔

ان مذاہب طریقت کی تعلیمات کو اگر غور سے دیکھا جائے کہ ان میں بہت سے امور میں یکسانیت پائی جاتی ہے جیسے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نفس کی مخالفت، خدمتِ خلق اور دعوت وتبلیغ وغیرہ لیکن چند مسائل میں ہر روحانی فرقہ کو انفرادیت بھی حاصل ہے جس کی بنیاد علاقائی مسائل یا جسے عُرف بھی کہا جا سکتا ہے اور صوفیہ کے اپنے احوال ومشاہدات اور مقامات ہیں جیسے نسبت صدیقی، ذکر خفی، عزیمت پر عمل، وحدت الشہود اور اتباع سنت میں سختی سلسلہ نقشبندیہ کی اور سماع وقوالی سننا، ذکر جہری اور وحدت الوجود دیگر سلاسل کی خصوصیات ہیں۔ ان مذاہب طریقت کی تاریخ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وسط ایشاء کا علاقہ حدیث اور فقہی علوم کے ساتھ ساتھ تصوف اور تزکیہ نفس کے حوالے سے دنیا کے دیگر علاقوں سے ممتاز رہا۔

◆◆◆

حوالہ جات

۱۔ ان مقاصد کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۹، ۱۵۱، سورۃ آل عمران: ۱۶۴ اور سورۃ الجمعۃ: ۲ میں موجود ہے۔

۲۔ علی بن برہان الدین حلبی، انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون، شرکۃ مصطفیٰ البابی، مصر (ت۔ن)، جلد ۱، صفحہ ۲۳۶

۳۔ پیر کرم شاہ، ضیاالنبی ﷺ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۲۰ھ، جلد ۲، صفحہ ۱۵۴

۴۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، جامع البیان عن تاویل القرآن المعروف بہ تفسیر طبری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۱، جلد ۲۴، صفحہ ۷

۵۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، (کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذاً خلیلاً، رقم الحدیث: ۳۶۷۵)

۶۔ امام ابوعبداللہ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، (کتاب معرفۃ الصحابہ، باب الاحادیث العشرۃ بتسمیۃ أبی بکر صدیقاً رضی اللہ عنہ،) دار المعرفۃ، بیروت، (ت۔ن)، جلد ۳، صفحہ ۶۲

۷۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الکبیر، (نسبۃ ابی بکر الصدیق، رقم الحدیث: ۱۴)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۹، جلد ۱، صفحہ ۲۸

۸۔ امام بن ماجہ، السنن، المقدمۃ، رقم، الحدیث: ۱۲۰

۹۔ حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، کشف المحجوب، (باب یازدھم، فصل ۲۳، حالات حضرت حارث بن اسد المحاسبی)، مترجم، مولوی فیروز دین، لاہور، ۱۹۶۶ء، صفحہ ۱۷۳

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، مترجم، ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۹، ص: ۱۶۵

۱۰۔ علی بن عثمان، کشف المحجوب، (باب ۱۲، فصل ۶۔ باب ۱۴، فصل ۶) صفحہ ۲۸۵، ۲۹۹

۱۱۔ حضرت حسن بصری عہد تابعین میں بلند پایہ محدث، فقیہ اور باعمل صوفی تھے۔ احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیں:
امام محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، (ومن الطبقۃ الثانیہ، رقم: ۳۰۴۸) دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء، جلد ۵، صفحہ ۲۰۹۔۲۲۶

علامہ ابوالفداءحافظ عماد الدین ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، المکتبۃ القدوسیۃ، لاہور ۱۹۸۴ء جلد ۹،صفحہ ۲۶۸۔
علامہ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ((ذکر الحسن بن ابی الحسن، نمبر ۴۸۸)

۱۲۔ عبدالرحمن جامی، نفحات الانس، مترجم وملخص محمد ادریس انصاری، ادارہ تبلیغ اسلام، صادق آباد، س۔ن، (حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ۔ ۳۸)،ص ۱۵۲۔

۱۳۔ حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ، حلیۃ الاولیاء، مترجم، مولانا محمد یوسف تنولی، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۶، ذکر ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، حصہ دہم،ص ۳۲۱

۱۴۔ ایضاً،ص ۱۵۲

۱۵۔ حضرت علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ، کشف المحجوب، (باب ۱۱،فصل ۱۲، تذکرہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ)،صفحہ ۱۷۱
امام ابوالقاسم القشیری، رسالہ قشیریہ،ص ۱۷۲

۱۶۔ صاحبزادہ عبدالرسول، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، مکتبہ زاویہ، لاہور، ۲۰۰۷،ص ۱۶۵

۱۷۔ فریدالدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، علامہ عبدالرحمن شوق، ملک سراج الدین، لاہور، ۱۹۵۸، ذکر حضرت بایزید بسطامی،ص ۱۵۱

۱۸۔ حضرے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے ان کلمات کے بارے حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں بہت سیر حاصل بحث کی ہے تفصیل کے لیے دیکھیے: مکتو بات جلد اول، مکتو ب نمبر: ۱۰۰، ۲۰۲، ۲۲۰، ۳۰۲،جلد دوم مکتو ب نمبر: ۱۰، ۲۱، ۵۵ جلد سوم مکتو ب نمبر: ۸۷، ۸۹، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۲

۱۹۔ حضرت علی بن عثمان، کشف المحجوب، (باب ۱۱، فصل ۲۷ تذکرہ حضرت حمدون بن احمد قصار رحمۃ اللہ علیہ)،صفحہ ۱۹۸

۲۰۔ ایضاً، بذیل ذکر فرقہ سہیلیہ، (باب ۱۴،فصل ۶)،صفحہ ۲۹۸

۲۱۔ ایضاً، تذکرہ حضرت ابوسعید احمد بن عیسیٰ خرازی رحمۃ اللہ علیہ، (باب ۱۱،فصل ۴۴)،صفحہ ۲۲۵

۲۲۔ ایضاً، بیان فرقہ خرازیہ (باب ۱۴،فصل ۸)،صفحہ ۲۶۵

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ امام ابوالقاسم القشیری، رسالہ قشیریہ: ۱۷۶ بذیل تذکرہ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ،صفحہ ۱۷۵۔۱۷۶

۲۵۔ امام علی بن عثمان، کشف المحجوب، ذکر فرقہ سہیلیہ، (باب ۱۴ فصل ۶)،صفحہ ۲۹۸۔ کشف المحجوب، باب ۱۴، بذیل ذکر فرقہ سہیلیہ وجنیدیہ،صفحہ ۲۸۸، ۲۹۸

۲۶۔ حضرت علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ، کشف المحجوب، ذکر فرقہ نوریہ،صفحہ ۲۸۹، ۲۹۶

۲۷۔ صاحبزادہ عبدالرسول، تاریخ مشائخ نقشبندیہ،صفحہ:۱۶۵

۲۸۔ ایضاً، ذکر حضرت محمد بن علی ترمذی، (باب ۱۱،فصل ۴۳)صفحہ ۲۲۲

۲۹۔ امام ابوالقاسم القشیری رسالہ قشیریہ،ص ۲۰۵ نمبر ۳۵

۳۰۔ حضرت علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ذکر فرقہ حکیمیہ، (باب ۱۳،فصل ۷)صفحہ ۳۲۱

۳۱۔ ایضاً، ذکر حضرت ابوالعباس قاسم سیاری رحمۃ اللہ علیہ،صفحہ ۳۷۷

۳۲۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ترجمہ حضرت شمس بریلوی (باب ۶۲، مصطلحات تصوف کی توضیح)، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۷۷ء صفحہ ۶۹۳

۳۳۔ حضرت علی بن عثمان، کشف المحجوب، ذکر فرقہ خفیفہ، باب ۱۳،فصل ۹)صفحہ ۳۷۳

۳۴۔ ایضاً، ذکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، باب ۷،فصل ۱)صفحہ ۱۰۷

۳۵۔ حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کا نام حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھا جو کہ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی جمادی الاولیٰ ۸ ہجری کو ہونے والے غزوہ موتہ میں شہادت کے بعد آپ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوگیا۔

(امام ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، رقم ۱۰۸۰۰، المتبۃ المعرفویہ، کوئٹہ، ۲۰۱۲، جلد ۴،صفحہ ۲۴۱۷)

۳۶۔ صاحبزادہ عبدالرسول، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ذکر حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی،صفحہ ۱۹۰

۳۷۔ ایضاً، ذکر حضرت شیخ ابوعلی فارمدی،صفحہ ۲۹۵

۳۸۔ ڈاکٹر خلیق نظامی کے مطابق چشت خراسان کے قریب ایک مشہور شہر کا نام ہے وہاں کچھ بزرگان دین نے روحانی اصلاح وتربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا جسے بہت شہرت حاصل ہوئی وہ نظام اس مقام کی نسبت سے چشتیہ کہلانے لگا۔ (ڈاکٹر خلیق نظامی، تاریخ مشائخ چشت، مشتاق بک کارنر، لاہور، (س۔ن)،ص ۱۵۹)

۳۹۔ آپ ۴۹۰ھ میں زنجان کے مضافات میں واقع سہرورد کے مقام پر پیدا ہوئے، بارہ واسطوں سے آپ کا نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ (عبدالرحمن جامی، نفحات الانس،ص ۵۶۵، داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، مترجم مقبول بیگ بدخشانی، پیکجز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۱ء،ص ۱۳۹، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، کتب خانہ علویہ رضویہ، فیصل آباد، (س۔ن)،صفحہ ۱۱۶)

♦♦♦

سیدہ نفیسہ بنت حسن الانور ___ ایک تعارف

ڈاکٹر عمرانہ شہزادی ☆

Abstrat:

The Presence of Sufi Women explored alongside men early at the begning of Islam. Some of those women contributed in valuable ways to the growth of the Sufi'ism. The said article shed light on the bio graphy of Sufi Saint and great religious scholar Sayyeda Nafeesa Bint Hassan Al-Anwar. Who performed great struggle for preaching of Islam, Sufi'ism and other great islamic deeds for the welfare of humanbeings. People of Cario loved her very much for her religious values modesty, kindness and sufi'ism.

Key Words:

Women, Nafeesa, Struggle, Deeds, Religious, Modesty, Kindness, Sufi'ism.

خاندان اہلِ بیت نے اسلام کی دعوت و اشاعت اور اثباتِ حق کے لیے لازوال خدمات سرانجام دیں۔ ہر دور میں اپنے بزرگوں کی روایات کو نبھاتے ہوئے شریعتِ اسلامیہ کا بول بالا کیا اور پیروکاروں کو اپنے فیوض و برکات سے نوازا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے:

> ''لوگ مختلف درختوں میں سے پیدا کیے گئے جبکہ میں اور علی رضی اللہ عنہ ایک ہی درخت سے پیدا ہوئے ہیں۔ میں اس درخت کی جڑ ہوں، فاطمہ اس کی شاخیں ہیں اور علی رضی اللہ عنہ اس درخت کا

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج خواتین یونیورسٹی، فیصل آباد

شگوفہ ہیں، حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ اس درخت کے پھل ہیں، ہمارے پیروکار اس کے پتے ہیں اور جو بھی اس کی ٹہنیوں میں سے کسی ٹہنی کے ساتھ لٹک گیا وہ اسے جنت تک لے جائے گی اور جو اس کو چھوڑے گا وہ جہنم میں گرے گا۔"(۱)

سلسلۂ نبوت کی مذکورہ بالا درخت کی شاخ کا ایک تروتازہ وشاداب پھول، گھرانۂ نبوت کا ایک معطر جھونکا، آلِ بیت کی نشانی جن کے بارے میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اولئک الذین اذھب اللہ عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا(۲)

ایک پاکباز وجود، تبحر علمی جس کا اوڑھنا بچھونا تھا، تاریخ جسے نفیسہ الدارین، نفیسۃ العلم، نفیسہ الطاہرہ، نفیسہ العابدہ، نفیسہ المصر یین جیسے القابات سے مزین کرتی ہے وہ سیدہ نفیسہ بنت حسن الانور ہیں۔

سیدہ نفیسہ ابو محمد الحسن الانور بن زید الابلج بن حسن بن علی بن ابی طالب کی صاحبزادی تھیں۔ وہ ایک عظیم امام، جلیل القدر عالم، شریف النفس اور اہلِ بیت کے بزرگوں میں سے شمار ہوتے تھے۔ وہ مستجاب الدعوات تابعین میں سے تھے۔

۱۵۰ھ میں خلیفہ ابوجعفر منصور نے انہیں مدینہ کا والی مقرر کیا اور حکمِ حق کہنے والے اس مردِ مجاہد کو ۱۶۰ھ میں معزول کر کے قید کر دیا گیا۔ ابوجعفر منصور کے بعد خلیفہ مھدی نے ان کے علم، اعتدال، زہد وتقویٰ و ریاضت اور بلند مرتبہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انہیں رہا کر دیا اور اپنے خاصانِ خاص میں شامل کر لیا۔ آپ بہت بردبار تھے، حدود شریعت کی سختی سے پابندی کرتے، اللہ کے دین کے بارے میں نرمی نہ برتتے تھے اور ان کی والدہ محترمہ کا نام ام سلمٰی بنت حسین بن حسن تھا۔

سیدہ نفیسہ ۱۱ ربیع الاول ۱۴۵ھ بروز بدھ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ ان کی والدہ ان کی پیدائش پر شاداں وفرحاں ہوئیں۔ والد صاحب بھی خبر ملنے پر خوشی سے جھوم اُٹھے۔ ان کی خوشی اس وقت دوبالا ہوگئی جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی نومولود بیٹی بالکل ان کی بہن نفیسہ سے مشابہ ہے۔ نفیسہ بنت زید کی شادی خلیفہ عبدالملک سے ہوئی، بہت ذہین تھیں اور لیاقت و نفاست کا مجسمہ تھیں۔ مال و دولت اور دنیاوی نعمتوں سے اللہ تعالیٰ نے مالا مال کیا ہوا تھا۔ خلافت میں اپنے شوہر کی دست راست تھیں۔ یتیموں کی کفالت، نابیناؤں کا سہارا تھیں۔ مصر منتقل ہوئیں اور وہیں وفات پائی۔ انہوں نے اپنی بہن کی خوبیوں، زہد وتقویٰ سے متاثر ہو کر اور نیک شگون خیال کرتے ہوئے اپنی بیٹی کا نام بھی نفیسہ رکھا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی بیٹی کے نصیب بھی اس کی پھوپھی کی طرح لکھ دے۔

سیدہ نفیسہ نے گھرانۂ نبوت میں پرورش پائی۔ایسا گھرانہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مطہر کر دیا۔انہوں نے بچپن ہی سے اپنے گھر میں تلاوت قرآن پاک کی آوازیں سنیں۔ایک پاکیزہ فضا ان کے اردگرد تھی جس نے انہیں اس کی تعلیم کی طرف راغب کیا۔انہوں نے اپنے والد محترم اور والدہ محترمہ کو ہمیشہ یادِ الٰہی میں مشغول پایا وہ بھی فطری طور پر اپنے والدین کی پیروی کرنے لگیں۔انہوں نے اپنے والدین سے اپنے دادا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ محترمہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کے بارے میں سُنا اور والد محترم نے انہیں آگاہ کر دیا کہ ان کا مرتبہ بھی صالحات وصالحین میں بلند ہونا چاہیے۔انہوں نے بہت چھوٹی عمر میں قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا۔ایک سال کے مختصر عرصہ میں قرآن پاک حفظ کر لیا جس نے ان کے علمی ذوق کو جلا بخشی۔ وہ فرض نماز کی ادائیگی کا اہتمام کرتیں۔انہوں نے سات سال کی عمر سے پڑھنا لکھنا شروع کر دیا اور یہ ان کے روشن مستقبل کی علامت تھی۔مکہ مکرمہ میں سے تعلیم کا آغاز کیا۔والد محترم کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لائیں اور ان کے ساتھ وہاں قیام کے دوران دینی ودنیاوی علوم وامور سیکھے۔مسجد نبوی جایا کرتیں اور اس دور کے علماء وشیوخ سے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی اور والد محترم سے دینِ اسلام کی تاریخ اور خاندانِ نبوت کے بارے میں معلومات کا ذخیرہ پایا۔امام مالک سے ملاقات کی جو اس وقت مدینہ میں رہتے تھے۔ان کا یہ عملِ جلیل تھا کہ وہ علمی مجالس منعقد کرتے اور علم کے متلاشی دنیائے اسلام کے گوشوں سے ان کے ہاں حاضر ہوتے۔آپ اطرافِ مدینہ میں علم پھیلاتے۔ان کی روایت کردہ احادیث کی صدائیں جب سیدہ نفیسہ تک پہنچیں تو انہوں نے ان سے ملاقات کی اور موطا امام مالک پڑھی۔تمام دینی قضایا کے بارے میں ان کا مناقشہ ہوا اور حدیث کی اس کتاب کی معرفت مکمل ہو گئی۔لوگ ان کے پاس علم سیکھنے کے لیے آتے اور فقہ، حدیث اور سیرت سے متعلقہ علوم سیکھتے۔آپ بہت مضبوط حافظہ کی مالک تھیں۔انہوں نے اپنی تمام توانائیاں قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے صرف کر دیں۔جلد ہی انہیں تفسیر وتاویل پر مکمل عبور حاصل ہو گیا اور قرآن پاک کے غموض ان پر آشکار ہو گئے۔ایک مرتبہ ان کے والد حسن الانور ان کے ہمراہ مدینہ تشریف لائے۔وہ ہمیشہ ان کا ہاتھ تھام کر چلتے تھے۔روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری دی اور عرض کیا ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنی بیٹی نفیسہ سے راضی ہوں'' اور یہ عرض کرنے کے بعد لوٹ آئے۔جب بھی مدینہ جاتے ان کا یہی معمول ہوتا یہاں تک کہ ایک مرتبہ انہیں خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے ''اے حسن! میں تمہاری بیٹی نفیسہ سے خوش ہوں۔تیرے اس سے راضی ہونے کے سبب اور اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہیں میرے خوش ہونے کی وجہ سے۔''

سیدہ نفیسہ کے نو بھائی سید ابوالقاسم، سید محمد، سید علی، سید ابراہیم، سید زید، سید عبیداللہ، سید یحیٰی، سید اسماعیل، سید اسحاق اور ایک بہن ام کلثوم تھیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ آپ جسمانی، روحانی اور عقلی طور پر پرورش پاتی رہیں۔ رات کو قیام کرتیں، دن کو روزہ رکھتیں، عبادت اور مطالعہ میں مصروف رہتیں۔ اپنے آپ کو دل و جان سے حدیث کی تعلیم و تعلم کے لیے وقف کر دیا۔ انہوں نے اپنے والد محترم، اہلِ بیت کے جید علماء سے احادیث کو روایت کیا اور علمِ فقہ کا وافر حصہ ان سے لیا اور اسی بنا پر وہ نفیسہ العلم کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ سنِ بلوغت کو پہنچتے ہی ان کے کریمانہ اخلاق، دین و ایمان، تقویٰ و پاکیزگی، علم و معرفت، حُسن و جمال کی خبر سُن کر قریش کے اشرافیہ اور بنی حسن رضی اللہ عنہ، بنی حسین رضی اللہ عنہ کے کچھ نوجوان آپ سے عقد کی خواہش لے کر آئے۔ آپ کے والد محترم نے سب کو انکار کر دیا۔ جہاں تک اسحاق المؤتمن بن امام جعفر صادق بن امام باقر بن زین العابدین بن بن حسین بن علی بن ابی طالب بھی اپنی آرزو لے کر آئے۔ انہوں نے ان کو بھی انکار کر دیا۔ اسحاق المؤتمن ان کے پاس سے رنجیدہ خاطر اٹھے اور مسجد نبوی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ شریف میں داخل ہوئے اور قبرِ مبارک کے پاس انتہائی خشوع و خضوع سے کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے نفیسہ بنت الحسن کے لیے ان کے والد سے نکاح کی خواہش کی ہے انہوں نے مجھے جواب نہیں دیا اور میں ان کے پاس صرف نفیسہ کے دین اور عبادت سے متاثر و مرعوب ہو کر گیا ہوں۔'' یہ عرض کر کے آپ اپنے گھر چلے گئے۔

اسی رات سیدہ نفیسہ کے والد حسن الانور نے علی بن ابی طالب کو خواب میں دیکھا۔ وہ ان سے کہہ رہے تھے ''اے حسن! نفیسہ کی شادی اسحاق المؤتمن سے کر دو'' جب صبح نیند سے بیدار ہوئے تو کسی کو اسحاق المؤتمن کو بلانے بھیجا اور وہ ان کے بلانے پر فوراً حاضر ہو گئے۔ ان کے بیٹھنے کے بعد انہوں نے انہیں اپنا خواب سنایا اور انہوں نے اہلِ بیت کے عمائدین اور اشرافیہ قریش کو اکٹھا کیا اور اپنی بیٹی کا نکاح ۵ رجب ۱۶۱ھ میں اسحاق المؤتمن سے کر دیا۔ اسحاق کی کنیت ابو محمد اور لقب المؤتمن تھا۔ جلیل القدر محدث، متقی، پرہیزگار اور صلاح کار مجتہد تھے۔ (۳)

المؤتمن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ تھے بہت سے علماء نے ان سے روایت کیا ہے جن میں سے کثیر بن عبداللہ بن عوف، عبداللہ بن جعفر المخزومی، صالح بن معاویہ بن عبداللہ، ابراہیم بن منذر، یعقوب بن حمید، یعقوب بن محمد الزھری وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ (۴)

شادی کے بعد اپنے سسرالی گھر یعنی امام جعفر صادق اور ان کی اہلیہ حمیدہ البربریۃ کے ہاں آ گئیں۔ یہ

وہی گھر تھا جو حارث بن نعمان الانصاری الخزرجی نے جو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے تھے اور تحفتاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کیا تھا اور اسی گھر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے صاحبزادوں حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا کرتی تھیں۔ ان سے شادی کے بعد دوبارہ اسی گھر میں دو نور (سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی پڑپوتی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے) اس گھر میں اکٹھے ہوگئے۔ رشتہ ازدواج کے بعد دوبارہ اسحاق المؤتمن نے اس گھر کو تعمیر کروایا اور عرصہ دراز تک یہاں مقیم رہے۔ امام جعفر صادق کے اسحاق المؤتمن کے علاوہ اور بھی بیٹے تھے یعنی امام موسیٰ، امام کاظم، امام محمد اور فاطمہ کبریٰ ان کی بیٹی تھیں۔ سیدہ نفیسہ کے بطن سے ام کلثوم اور ابوالقاسم دو بچے پیدا ہوئے۔

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبرِ مبارک کی زیارت کی بہت مشتاق تھیں۔ زینب بنت یحیٰی (یحیٰی نفیسہ کے بھائی تھے) کہتی ہیں کہ میری پھوپھی جان سیدہ نفیسہ قرآن وتفسیر کی حافظہ تھیں۔ جب بھی تلاوتِ قرآنِ پاک کرتی تو کہتیں ''اے اللہ! میرے مالک میرے لیے اپنے دوست ابراہیم کی قبر کی زیارت آسان کردے اور جب وہ حج کرنے کے بعد اپنے شوہر کے ہمراہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے روضہ پر پہنچیں تو قبر کے پہلو میں کھڑی ہوگئیں۔ غم وخوشی سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، پھر حالت خشوع وخضوع میں بیٹھ گئیں اور قرآن پاک میں سے ان آیات کی تلاوت کرنے لگیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔'' سیدہ نفیسہ خود فرماتی ہیں ''جب میں نے تلاوت کیا **واذ قال ابراھیم رب اجعل۔۔۔ ولیذکر اولو الالباب**(۵) تو میں نے محسوس کیا کہ گویا اس وقت خلیل اللہ میرے سامنے ہیں تو میرا دل ڈر گیا اور آنکھیں خشوع سے جھک گئیں۔ میں نے عرض کیا میں آپ کی رضا اور دعا پاسکتی ہوں؟ تو میں نے اس لمحہ ایک پرجلال آواز سنی، آپ کہہ رہے تھے: اے میری بیٹی نفیسہ! اے نفیسہ تمہیں خوشخبری ہو۔ تم صالحات قانتات میں سے ہو۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم سورۃ مزمل کی تلاوت کیا کرو اور اس کے معنی پر غور وفکر کرو۔ اس سے تم عبادت کا طریقہ سیکھو گی۔ جس میں کسی قسم کی کوئی مشقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی استطاعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ اے میری بیٹی! اللہ کے اس فرمان کو پڑھو جو اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: ''**ان ربک یعلم انک تقوم ادنی من ثلثی اللیل و نصفه و ثُلثه و طائفة من الذین معک واللہ یقدر اللیل و النھار**۔''(۶) بے شک اللہ تعالیٰ نے نفلی عبادت کو اختیاری رکھا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور اپنے رزق کے لیے کوشش کرتا ہے۔ اس لیے آرام کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنا کام کر سکے۔ جہاد عبادت ہے، رزق کے لیے کوشش کرنا عبادت ہے،

خواتین کے لیے گھر کا کام کرنا عبادت ہے۔جان لو!تم صاحبِ توفیق ہو،تم مبارک ہو،تم صالحین وصالحات کی صف میں ہو۔زندگی کے تمام معاملات میں بہترین نمونہ بن جاؤ۔''

وہ فرماتی ہیں''میں نے اس وقت کہا:اے میرے عظیم المرتبت دادا جان!میں ان تمام نصیحتوں پر عمل کروں گی۔میں امید کرتی ہوں کہ آپ دعا کریں میں اس قابل ہو جاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہو جاؤں۔میری تمنا ہے کہ وہ مجھ سے راضی ہو جائے۔یہی میری التجا ہے اس کے علاوہ کوئی خواہش نہیں۔''

انہوں نے ارشاد فرمایا:''اے میری بیٹی مبارک ہو!اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول کر لی۔اللہ آپ کو ہرگز نہیں بھولے گا۔''

سیدہ نفیسہ کریمۃ الدارین نے حج کیا اور خلیل الرحمٰن کی قبر کی زیارت کی۔انہوں نے زندگی میں تیس حج کیے۔انہوں نے تمام حج پیدل کیے اپنے دادا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ ''مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنے رب سے ملاقات کروں اور اس کے گھر پیدل چل کر نہ جاؤں''اور یہ قول ہمیشہ ان کے لیے پیشِ نظر رہا۔(۷)

یہ متقی سیّدہ اپنی زندگی سے بے نیاز تھیں۔زاہدانہ طریق پر ایمان رکھتیں اور اس کی مشق کرتیں۔زہد کی راہ پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مرشد اعظم تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت نے ان کی زندگی کا احاطہ کیا ہوا تھا۔بچپن ہی سے چکا چوند دنیاوی زندگی سے دور رہیں۔باوجود اس کے کہ والی مدینہ کی بیٹی تھیں اور پر تعیش زندگی اور دنیاوی لذات کی فراوانی تھیں لیکن ان تمام آسائشوں سے اعتراض برتتیں اور ان کا نفس زہد وتعشق کا نمونہ تھا۔بہت کم کھاتیں۔تین دن کے بعد ایک وقت کا کھانا کھاتیں۔زینب بنت یحییٰ کہتی ہیں کہ ان کی جائے نماز کے سامنے ایک ٹوکری لٹکی رہتی جب کسی چیز کی حاجت ہوتی اس میں سے نکال کر کھالیتیں اور ایسی چیزیں ہوتیں جن کا خیال تک میرے دل میں نہ گزرا ہوتا اور میں یہ نہ جانتی تھیں کہ یہ کہاں سے آتا ہے۔حیرت سے میں نے پوچھا تو جواب دیا اے زینب!جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص ہو جاتا ہے کائنات اس کے ہاتھ میں آ جاتی ہے اور اس کے قدرت میں ہوتی ہے۔

وہ ایک مخلص بیوی تھیں اور شوہر کے لیے وفا کی اعلیٰ مثال اپنے شوہر کے کاموں سے فارغ ہو کر عبادت کرتیں اور کسی کام میں اپنا وقت صرف نہ کرتیں،اخلاص ومحبت سے زندگی کے تمام معاملات میں ان کا ساتھ دیا اور اسحاق المؤتمن اس بات پر فخر کرتے تھے اور اپنے جاننے والوں میں اس بات کا ذکر کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نفیسہؒ دے کر ان پر خاص احسان کیا ہے وہ خود بھی اور کے ساتھ اطاعت کی مثال تھے اور ان

کے امور اختیار پر خوش ہوتے اور وہ بھی ان کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت نہیں کرتیں اور دنیا کا کوئی کام انہیں اپنے شوہر کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ کرتا وہ اپنے بچوں ابوالقاسم اور ام کلثوم سے بہت پیار کرتیں تھیں۔ انہوں نے ان کی تعلیم وتربیت اتنے اچھے طریقے سے کی کہ وہ بنت النبوۃ سے منسوب اعلیٰ تربیت کردار کا نمونہ بن گئے۔

انہوں نے اپنے علمی استنباط سے علم کے غوامض اور نکتہ ہائے دقائق کو آشکار کیا جس بنا پر وہ نفیسہ العلم مشہور ہو گئیں۔ علم کے متلاشی ان کے گرد جمع ہو گئے اور علمی مشکلات میں ان سے رجوع کرتے، اطراف عالم سے لوگوں نے اپنی سواریوں کا رخ ان کے قیام گاہ کی طرف کر دیا۔ تا کہ وہ بیت النبوۃ کے علوم سے حکمت و حذاقت حاصل کر سکیں۔

طہارت و پاکیزگی کی بنا پر نفیسہ الطاہرۃ مشہور ہوئیں۔ عبادت وتقویٰ کی بنیاد پر نفیسہ عابدہ کہلائیں۔ دن کو روزہ رکھتیں اور رات کو عبادت کرتیں۔ غلاف کعبہ کو تھام کر دعا کرتیں۔

الٰهی، سیدی، مولای، متعنی فرحنی برضاک عنی فلا تسبت لی سببًا یحجبک۔

اے میرے معبود، میرے آقا میرے مولا مجھ سے اپنی رضا کے بارے میں خوش ہو جا۔ کوئی ایسا سبب نہ بنا جو میرے اور تیرے بیچ کے تعلق میں حجاب پیدا کر دے۔

زینب بن یحیٰی المتوج کہتی ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی جان سیّدہ نفیسہ کی چالیس سال خدمت کی میں نے انہیں رات کو سوتے نہ پایا اور نہ دن کو بغیر روزہ کے سوائے ایام تشریق کے اور عیدین کے ایام کے۔ میں نے عرض کیا۔ آپ اپنے نفس کے ساتھ نرمی کیوں نہیں کرتیں۔ انہوں نے فرمایا اپنے نفس پر کیسے نرمی کروں انجام میرے سامنے ہے۔ اس تک صرف کامیاب ہی پہنچیں گے۔ (۸)

سیّدہ نفیسہ، کریم النفس، شریف طبع، صاحبۃ الکرامات زھراء المآثرات بردبار، بامروت، سخی پاکباز، عبادت گزار تھیں۔ اخلاق عالیہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک تھیں۔ نخوت ونفرت سے مبرا اور اپنے نفس کے بارے میں کبھی بڑائی کا شکار نہیں ہوتیں۔ ان سے بھی تکبر وشیخی کا ارتکاب نہ ہوا۔ اپنے خاندان کے ساتھ بہت محبت کرتیں۔ ان کی بھتیجی زینب بنت یحیٰی کہتی ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی جان میں ہمیشہ اپنے لیے محبت کو محسوس کیا۔ میں نے ان کی خدمت کی اور ان کی خدمت کو میں نے شادی کرنے پر ترجیح دی۔ میں اپنا آپ بھول گئی اور ان کی ہو کر رہ گئی۔

تنگ دستوں کوعنایت کرتیں۔خطا کاروں کی خطائیں معاف کر دیتیں ضرورت مند کی ضرورت پوری کرتیں۔مال دار شوہر کی بیوی تھیں وہ مال کو مریضوں،محتاجوں اور عامۃ الناس میں بانٹ دیتیں۔سوال کرنے والے کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتیں۔جو ان کے ساتھ تعلق جوڑ لیتا اسی کی ہو جاتیں۔امراء وخلفاء کی طرف سے آنے والے عطیات میں سے اپنے لیے کچھ نہ باقی رکھتیں سب کچھ ضرورت مندوں کو دے دیتیں۔ان سے ایک پیسہ میں اپنے گھر والوں کو نہ دیتیں۔اپنے اوپر اور اپنے بچوں پر وہ مال خرچ کرتیں جو ان کے شوہر کا ہوتا یا اس مال میں سے خرچ کرتیں جو وہ سوت کات کر حاصل کرتیں۔

ان کے ہمسائے ان کی رحم دلی اور نیکی کے قائل تھے۔سب آپ سے محبت کرتے اور آپ کی عزت کرتے۔نیکی اور رحم دلی ایسی خوبیاں ہیں جو دلوں پر حکومت کرتی ہیں اور ضمیر کو جیت لیتی ہیں ان کی انہیں خوبیوں کی بنا پر لوگ ان کے مشتاق ہوئے اور ان کی برکات کو محسوس کیا اور انہی کی بدولت ان کی پاکیزگی کے جھونکوں کو جانا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے بعد انہوں نے دمشق میں ام کلثوم بنت ابی طالب کی بیٹی زینب کا روضہ مبارک دیکھا۔پھر اپنی پھوپی جان فاطمہ بنت حسن بن علی کی قبر کی زیارت کی اور حضرت فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کی خادمہ فضہ کی قبر دیکھی اور دیگر اکابرین کے مزاروں کی زیارت کی۔

اہل دمشق کے بڑے مشہور جید علماء سب سے الامام الحافظ المحدث ابوالعباس ولید بن مسلم الدمشقی، امام ابوبکر مروری بن محمد الطاہری اور دیگر علماء واہل شام اور محدثین وصلحاء نے ان سے ملاقات کی اور ان سے دعا کی درخواست کی۔بروز ہفتہ 26 رمضان المبارک اور 93ھ سیدہ کریمہ الدارین مصر پہنچیں۔اہل مصر نے شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا۔اہل مصر یہاں ان کے تشریف لانے سے پہلے ہی ان کی عقیدت ومحبت کے اسیر بن چکے تھے۔جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں مقیم تھیں تو ان کے بارے میں باتیں اور ان کے فضائل ان تک پہنچ چکے تھے۔کچھ تو مواسم حج کے موقع پر ان سے ملاقات بھی کر چکے تھے۔عورتوں اور مردوں نے اونٹوں اور گھوڑوں پر آ کر ان کا استقبال کیا۔فضا اللہ اکبر کے نعروں سے اور درود وسلام کی تسبیحات سے معطر تھیں۔لوگ ان کے ساتھ ساتھ چلتے رہے جب تک وہ مصر داخل نہ ہوگئیں۔ان کو نامور تاجر صلاح کار نیکی صداقت میں مصروف اہل محبت کے عاشق علماء وسادات کے قدر دان جمال الدین عبداللہ الجصاص نے نہایت عزت واحترام واکرام کے ساتھ اپنے گھر ٹھہرایا۔وہ ان کے گھر کچھ عرصہ قیام پذیر رہیں۔لوگ ان کے پاس جوق در جوق ملنے آتے۔اکناف وعالم سے سفر کرتے اور زیارت کو آتے اور ان سے دعائے خیر کے

طالب ہوتے اور وہ ان کے روپ میں خاندان نبوت کی زیارت کرتے۔

صحرا و کہسار سے لوگ اپنی عقیدت کا اظہار کرنے آتے۔ دعا کرواتے واپس لوٹ جاتے اللہ تعالیٰ ان کے لیے ان کی دعا قبول فرمالیتے ان کی حاجات پوری ہوجاتیں اور انہیں مصیبتوں سے چھٹکارا مل جاتا۔

مصر کی ایک ایک عورت جو بہت نیک اور پرہیزگار تھیں۔ ان کا نام ام ہانی تھا ان کا گھر بہت کشادہ اطراف اور وسیع دالان وسبزہ زار والا تھا۔ اس نے سیّدہ نفیسہ سے درخواست کی کہ وہ اس کے گھر میں قیام پذیر ہوجائیں۔ سیّدہ نفیسہ نے اس کی درخواست کو قبول کرلیا اور اس کے گھر منتقل ہوگئیں۔ زائرین کا سلسلہ منقطع نہ ہوا۔ ام ہانی کی ہمسائیگی میں ایک یہودی مرد رہتا تھا اس کا نام ابوسرایا ایوب بن یاسر تھا اسکی ایک بیٹی تھی جو معذور تھی ایک دن اس کی بیوی سیّدہ نفیسہ کے پاس آئی اور اندر آنے کی اجازت طلب کی اجازت ملنے پر عرض کیا کہ میں ضروری کام کے سلسلے میں بازار جانا چاہتی ہوں میری بیٹی کو اپنے پاس رکھ لیں۔ آپ نے اس کی بات مان لی۔ وہ بچی سیّدہ نفیسہ کے معمولات کو غور سے دیکھتی رہی۔ یہاں تک کے ظہر کا وقت ہوگیا۔ آپ وضو کے لیے اٹھیں، گھر کی چاردیواری کے پاس ایک کنواں تھا آپ نے اس کے پانی سے وضو کیا۔ لڑکی دیکھتی رہی۔ جب آپ وضو سے فارغ ہوکر نماز پڑھی تو وہ لڑکی گھسٹتی ہوئی اس پانی کے پاس پہنچ گئی اور سیّدہ نفیسہ کی نقل کرتے ہوئے اس پانی سے وضو کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے سیّدہ نفیسہ کے اس پانی کی برکت سے اس کا اپاہج وجود درست کردیا اور دماغی حالت بھی بہتر ہوگئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور گھر کی دہلیز پار کر کے چلی گئی اور اپنی ہم جولیوں کے ساتھ کھیلنے لگی اور سیّدہ نفیسہ اپنی عبادت میں مشغول ہوگئیں اور جب اس بچی کی ماں آئی اور اس نے دیکھا کہ اس کی بچی تندرست وتوانا جسم کے ساتھ کھیل رہی ہے۔ جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اس نے اسے گود میں لے لیا۔ اور اس پر بیٹی کے تندرست ہونے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اس نے اپنی بیٹی سے اس کی حالت درست ہونے کے بارے میں پوچھا تو اس نے اسے سارا واقعہ سنادیا کہ کس طرح اس نے سیّدہ کے وضو کرنے کی جگہ سے وضو کیا پس اس کی ماں رو پڑی اور اس نے کہا ''بے شک سیّدہ کا دین ہی اصل دین ہے'' وہ نہایت خشوع وخضوع سے سیّدہ کے حضور حاضر ہوئی اور سلام کرنے کے بعد کلمہ شہادت پڑھا پھر بولی۔ میں نے رب العالمین کے لیے آپ کا دین قبول کرلیا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے اندھیروں سے دین کی روشنی کی طرف آنے کی سعادت بخشی اور مجھے ضلالت سے بچا کر ہدایت کی طرف میری رہنمائی کی۔ (۹) جب بچی کا باپ آیا اور اپنی قوم کے بااثر لوگوں میں سے اس نے اپنی اکلوتی اولاد کو تندرست صحیح وسالم پایا تو خوشی ومسرت اس پر غالب آ گئی۔ وہ خوشی سے تالیاں بجانے لگا اور رقص

کرنے لگا۔ بچی کی ماں نے اس کو بتایا کہ سب سیّدہ نفیسہ کی برکت و دعا کے طفیل رونما ہوا ہے۔ جو ان کی ہمسائیگی میں رہتی ہیں۔ بیوی کی گفتگو کے ختم ہوتے ہی اس نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور ہاتھ بلند کر کے کہنے لگا۔اے اللہ! تیری ذات پاکیزہ ہے تو جس کو چاہتا ہے ہدایت نصیب کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔اے اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہی دین صحیح ہے اللہ کے نزدیل دین صرف اسلام ہی ہے اور دین اسلام کے علاوہ کوئی دین نہیں۔فوراً سیّدہ نفیسہ کے گھر کی طرف گیا اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ اجازت ملنے پر پردے کے پیچھے سے ان سے کلام کیا۔رحم وکرم کی دعا کی درخواست کی اور جس کفر کی ضلالت میں وہ گرفتار تھے اس سے رہائی کی تمنا کی۔سیدہ نفیسہ نے آسمان کی طرف نگاہ بلند کی اور ان کی ہدایت کے لیے اللہ عزوجل سے دعا کی، دعا ختم ہی ہوئی تھی کہ ابوسرایا نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا یہ بات مصر کے اطراف واکناف میں پھیل گئی۔اور وہاں آباد تقریباً ستر یہودیوں کے گھروں کے اہل خانہ نے اسلام قبول کر لیا۔ (۱۰)

دور دراز سے لوگ آتے رہے تو آپ کے ارد گرد ان کا ہجوم رہنے لگا۔ یہاں تک کہ لوگوں کے لیے جگہ تنگ پڑ گئی۔ انہوں نے مصر چھوڑ کر مدینہ الرسول ﷺ جانے کا ارادہ کیا تا کہ اپنی عمر کا باقی حصہ نہایت اطمینان اور سکون سے بسر کر سکیں۔اہل مصر یہ سن کر رنجیدہ خاطر ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ان کے زہد وتقویٰ ان کے علمی و روحانی مراتب خانوادہ رسول اللہ سے ان کے تعلق ان کی برکت وفیض سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہ سن کر پریشان ہو گئے کہ اب وہ ان تجلیات ومشاہدات سے محروم ہو جائیں گے ان سب نے ملکر ان سے درخواست کی کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے لیں۔لیکن انہوں نے اس بات کو نہ مانا کہ لوگوں کی آمد ورفت ان کی عبادت میں خلل ڈالتی ہے۔ جب کسی صورت ان کی درخواست قبول نہ ہوئی تو وہ والی مصر سری بن حکم بن یوسف کے پاس گئے جو سیّدہ نفیسہ کا اکرام واحترام کرتے بکثرت ان کی زیارت کو جاتے۔انہوں نے اپنے آپ کو سیدہ نفیسہ کی خدمت کے لیے وقف کیا ہوا تھا اور عرض کی کہ سیّدہ نفیسہ کو یہاں سے کوچ کرنے سے روکیں۔وہ سیّدہ نفیسہ کے پاس گئے نہایت احترام سے اپنی اور مصریوں کی خواہش کو بیان کیا۔انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا:

’’میں کیسے اپنے آپ کو لوگوں کے بیچ میں رہنے دوں، میں بوڑھی ہو چکی ہوں۔لوگوں کی کثرت زیادہ ہو گئی ہے ان کا ہجوم مجھے وظائف اور عبادت الٰہی سے غافل کر دیتا ہے میں آخرت کا زادِراہ کیسے تیار کروں اور یہ گھر بھی لوگوں کی تعداد کے لحاظ سے چھوٹا ہے۔اور میری تڑپ روضہ رسول ﷺ کے لیے شدید ہے۔‘‘

سری نے کہا اے بنت رسول اللہ ﷺ میں اس شکایت کا ازالہ کر دیتا ہوں کشادگی کا اہتمام کروں گا جس سے آپ راضی ہو جائیں گی اور آپ کو اطمینان نصیب ہوگا۔ میرا ایک گھر درب السباع میں ہے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر آپ کو تحفتاً دیتا ہوں اور عرض ہے کہ اس پیش کش کو قبول فرما لیں اور ٹھکرا کر رنجیدہ نہ کریں۔طویل خاموشی کے بعد گویا ہوئیں۔''میں نے قبول کر لیا اے سری میں لوگوں کے اس ہجوم سے کیسے نبٹوں۔'' انہوں نے عرض کیا آپ لوگوں کے لیے ہفتہ میں دو دن ہفتہ اور بدھ ملنے کے لیے مخصوص کر لیں اور باقی دنوں میں اپنے رب کی عبادت کریں۔انہوں نے اس تجویز کو پسند کرتے ہوئے لوگوں کے لیے دو دن ہفتہ اور بدھ مخصوص کر دیے۔

سیّدہ نفیسہ کی بہت سی کرامات ان کی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی لوگوں نے دیکھیں۔امام ابن حجر نے ان کی ۱۵۰ کراماتیں بیان کیں ہیں۔بعلبلک میں مدرستہ الاوزاعیہ کے امام حافظ فقیہ عبدالرحمن بن عمر الاوزاعی (م ۱۵۸ھ) کہتے ہیں کہ میں نے حسن الانور کی لونڈی ''جوھرۃ'' سے پوچھا کہ تم نے سیّدہ نفیسہ کی کوئی کرامت دیکھی ہے۔اس نے کہا ہاں ایک دن سخت گرمی کے موسم میں ایک اژدھا میرے پاس آیا میرے پاس سیّدہ نفیسہ کا وضو کرنے کا برتن تھا اور اس میں وضو کے لیے پانی ڈال رکھا تھا اس اژدھے نے اپنا رخسار اس آفتابے کے ساتھ رگڑنا شروع کر دیا جیسے وہ اس کے متبرک ہونے کی وجہ سے پانی سے مسح کر رہا ہو۔ پھر وہ جدھر سے آیا تھا وہیں چلا گیا۔

سعید بن الحسن کہتے ہیں کہ میں طویل عرصہ دریائے نیل کے پاس رہائش پذیر رہا تو ایک مرتبہ دریائے نیل رک گیا میں نے دیکھا کہ لوگ سیّدہ نفیسہ کے پاس دعا کے لیے وہ انہیں اپنا ڈوپٹہ عنایت کیا وہ انہوں نے دریائے نیل میں ڈال دیا ان کے لوٹنے سے پہلے ہی دریا کے نیل کا پانی چڑھنا شروع ہو گیا۔(۱۱)

ایک بوڑھی عورت کی چار بیٹیاں تھیں وہ پورا ہفتہ ریشم کاتتیں اور ہفتہ کے آخری دن بڑھیا اسے بازار لے جا کر بیچ آتی اور وصول شدہ قیمت میں سے آدھی رقم کا دوبارہ ریشم خرید لیتی اور آدھی رقم سے ان کے لیے نان ونفقہ لے لیتی۔حسب معمول اس بڑھیا نے کاتا ہوا ریشم سر پر رکھ کر بازار کی طرف چلی اس اثنا میں جب وہ چل رہی تھی کہ ایک بڑا پرندہ آیا اور اس کے سر سے ریشم کی گٹھڑی اچک کر اڑ گیا۔ بڑھیا غم سے غش کھا کر گر پڑی۔جب اس کو ہوش آیا تو وہ زار و زار رونے لگی اور کہنے لگی اب میں ان یتیموں کا کیا کروں گی جنہیں بھوک نے نڈھال کر رکھا ہے۔لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اس سے اس کی حالت کا سبب پوچھا اس نے سارا ماجرا سنایا۔انہوں نے اس کی رہنمائی کی وہ سیّدہ نفیسہ کی بارگاہ میں جائے اپنی حالت ان کو بتائے وہ شفقت

فرمائیں گی۔ وہ اسی وقت سیّدہ نفیسہ کی طرف چل پڑی۔ انہیں اپنا قصہ سنایا اور اپنی بیٹیوں کے بابت بتایا اور دعا کی درخواست کی۔ سیّدہ نفیسہ نے بڑی شفقت فرمائی اور بیٹیوں سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا اے بلند بزرگ و برتر اللہ! تو مالک ہے قہار ہے اپنی اس عاجز و مسکین لونڈی کی سن لے بے شک اس کی بیٹیاں تیری مخلوق ہیں اور تیرا کنبہ ہے تو ارحم الراحمین ہے۔

پھر بڑھیا سے کہا بیٹھ جاؤ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ سیّدہ کے گھر کے دروازے کے پاس بیٹھ گئی اور اس کے دل میں بیٹیوں کی بھوک کا خیال کر کے غم کے شعلے لپٹ رہے تھے۔ ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر لوگ داخل ہوئے سلام کیا اور پردے کے پیچھے سے ان سے ہم کلام ہوئے۔ آپ نے آنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا کہ آج ہمارے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ہم تاجر لوگ ہیں ایک مدت سے سمندری سفر کر رہے ہیں جب ہم آپ کے ملک کے پاس پہنچنے والے تھے کہ ہماری کشتی میں سوراخ ہو گیا اور اندر پانی داخل ہونے لگا۔ ہم نے اس سوراخ کو بند کرنے کی سر توڑ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر مدد طلب کرنا شروع کی اور آپ کا واسطہ دیا۔ اچانک ایک پرندے نے ہماری طرف نظر ڈالی اور ہماری طرف ایک کپڑا پھینکا جس میں کتا ہوا کتان تھا۔ ہم نے اس سے سوراخ بند کیا اور وہ اللہ کے حکم سے بند ہو گیا۔ پس اپنی نجات پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آپ کے پاس ۵۰۰ درہم لے کر آئے ہیں۔ یہ سن کر سیّدہ نفیسہ رونے لگی آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا:

> ''اے الٰہی تو اپنی مخلوق پر کس قدر مہربان ہے اور ان پر لطف و کرم کرنے والا ہے تیرا شکر ہے تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ پھر انہوں نے بڑھیا کو آواز دی وہ تیزی سے آئی اور اس سے پوچھا ہر جمعہ کو کتنے میں ریشم بیچتی تھی اس نے کہا ۲۰ درہم میں آپ نہ کہا مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہر درہم کے بدلے پچیس درہم عطا کیے ہیں وہ رب کے حضور رونے لگی اس کی حمد و ثنائی سیّدہ کی برکت پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنی بیٹیوں کی طرف لوٹ آئی۔''(۱۲)

اہل مغافر میں سے ایک شخص کی شادی مصر کی ایک ذمی عورت سے ہوئی اس سے اس کا ایک بیٹا ہوا اور وہ دشمنوں کے علاقے میں قید ہو گیا پس عورت نے دعا کرنے کے لیے کوئی کونا نہ چھوڑا اور قیدیوں سے جا جا کر اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھتی کہ اس کے بیٹے کی قید کب ختم ہو گی ایک دن اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے خاندانمیں سے ایک سیّدہ شریفہ ہے اس کو لوگ سیّدہ نفیسہ بنت الحسن کہتے ہیں اور

اس کی کرامات کا ذکر کرتے ہیں اگر میں ان کے پاس جاؤں تو شاید وہ میرے بیٹے کے لیے دعا کریں۔ اگر میرا بیٹا ان کی دعا کرنے پر آ گیا تو میں ایمان لے آؤں گی۔ وہ شخص سیّدہ نفیسہ کے پاس آیا پورا واقعہ سنایا تو انہوں نے اس کے بیٹے کی قید سے رہائی کے لیے گڑ گڑا کر دعا دی اور جب رات ہوئی کسی نے ان کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اس شخص کی بیوی باہر نکلی تو کیا دیکھتی کہ اس کا بیٹا دروازے کے باہر کھڑا ہے۔ پس وہ خوشی سے اس کے ساتھ چمٹ گئی اور خوشی کے آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگے پھر اس کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ تم کیسے آزاد ہو کر آ گئے؟

میں اس معینہ وقت میں قید خانے کے دروازے کے کمرے میں کھڑا تھا۔ جب سیّدہ نفیسہ نے دعا فرمائی تھی میں نے سنا کہ کسی نے چوکیدار سے کہا کہ اس کو آزاد کردو اور یہ سیّدہ نفیسہ کی دعا کی برکت تھی کہ انہوں نے مجھے طوق اور قید سے آزاد کر دیا میں نے کسی سے کچھ نہ پوچھا اور اپنے محلہ میں پہنچ گیا اور اپنے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اس کے ماں باپ بہت خوش ہوئے سیّدہ نفیسہ کی اس کرامت کا خوب چرچا ہوا اسی رات اس عورت نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے آپ کو سیّدہ نفیسہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ (۱۳)

ان کے زمانے میں مصر کا ایک گورنر بہت ظالم تھا۔ ایک مرتبہ گورنر کے اہلکاروں نے ایک شخص کو پکڑ لیا اور وہ جا رہے تھے کہ جب ان کا گزر سیّدہ نفیسہ کے گھر کے پاس ہوا تو اس مظلوم شخص نے سیّدہ نفیسہ کو مدد کے لیے پکارا انہوں نے پکار سن کر اس کے لیے رہائی کی دعا کی۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان ظالموں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دے۔ گورنر کے بندوں نے اس شخص کو اس کے حضور پیش کیا تو وہ پوچھنے لگا وہ شخص کہاں ہے جسے تم قید کر کے لائے ہو۔ انہوں نے کہا اے امیر! وہ تو آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں اسے دیکھ نہیں پا رہا ہوں۔ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اے امیر جب ہم اس کے ساتھ آ رہے تھے تو ہمارا گزر سیّدہ نفیسہ کے گھر کے سامنے سے ہوا اس نے انہیں مدد کے لیے پکارا۔ انہوں نے اس کی رہائی کی دعا کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ظالموں کی آنکھوں پر تمہارے لیے پردہ ڈال دے۔ امیر نے فوراً کہا اے اللہ کیا میں اس حد تک ظالم ہو گیا ہوں۔ میں توبہ اور مغفرت کا طالب ہوں۔ اس کی توبہ قبول ہو گئی تو اس نے دیکھا کہ وہ شخص تو بالکل اس کے سامنے کھڑا ہے اس نے اس کے سر کو چوما اور معذرت کی اس کا شکریہ ادا کرتے وقت لوٹا دیا۔ اپنے جمع شدہ مال کو غریبوں یتیموں بیواؤں میں تقسیم کر دیا ایک لاکھ دینار لے کر سیّدہ نفیسہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے لے کر آیا ہوں کہ اس نے میری توبہ قبول فرمائی۔ آپ نے وہ رقم لے لی اور اپنے پاس پڑی تھیلیوں کے ساتھ اسے رکھ دیا اور پھر ان سب تھیلیوں کو ضرورت مندوں میں

تقسیم کرنے کا حکم دے دیا اپنی خدمت میں پیش کردہ مال کے ساتھ وہ یہی طریق اختیار کرتیں اس وقت ان کے پاس ان کی خدمت گزاروں میں سے چند عورتیں بیٹھی تھیں انہوں نے سیّدہ سے عرض کیا کہ آپ اس میں سے کچھ ہمارے لیے ہی رکھ لیتیں تا کہ ہم روزہ کی افطاری کا اہتمام کرتیں۔ آپ نے ان سے کہا یہ ریشم لو اس کو کاتو اور اسے بیچ کر اشیاء خورد و نوش خریدو۔ عورتوں نے ان کے کہنے پر ویسا ہی کیا۔(۱۵)

علما الشافعیہ میں سے مشہور مورخ مفسر فقیہ قاضی محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی کہتے ہیں کہ میں نے سیّدہ نفیسہ کی بھتیجی زینب بنت یحییٰ سے پوچھا کہ تمہاری پھوپھی جان کا طعام کیا تھا انہوں نے کہا کہ وہ تین دن کے بعد ایک بار کھانا تناول فرماتی تھیں ان کی ایک ٹوکری تھی جو ان کی نماز پڑھنے کی جگہ پر لٹکتی رہتی تھی وہ جب چاہتیں اس میں سے نکال کر کھا لیتیں وہ اپنے شوہر کے علاوہ اور اپنے سے اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کے علاوہ اپنے نفس کے لیے کسی چیز کو قبول نہ کرتی تھیں۔(۱۵)

امام شافعی رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو انہوں نے اپنے دوستوں سب سے ربیع بن سلیمان بن داوٗد الجیزی کو جو ان کے شاگرد بھی تھے۔ سیّدہ نفیسہ کی طرف دعا کے لیے بھیجا انہوں نے سیّدہ کو سلام کیا اور کہا کہ امام شافعی آپ کی دعا کے طلبگار ہیں۔ آپ ابھی دعا کروا کرے واپس نہ لوٹے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا دے دی۔

سیدہ نفیسہ کے ہاں دعا کروانے والوں کے علاوہ علماء دین بھی حاضر تھے وہ ان سے علم بھی حاصل کرتے اور اپنے لیے دعا کی درخواست بھی کرتے۔ ان میں الامام عثمان بن سعید المصری، الشیخ ابو الفیض ثوبان بن ابراہیم ذوالنون المصری (ہمیشہ ان سے ملاقات کرتے ان کی وفات کے بعد ان کی قبر کی زیارت بکثرت کرتے) ہم نے امام عبداللہ بن عبدالحکم، انہوں نے اُس سے حدیث سنی اور ان کے بتائے ہوئے آثار و اخبار سے استفادہ کیا۔ ابوالحسن سحنون ابن سعید، الفقیہ المالکی ربیع بن سلمان المرادی قابل ذکر ہیں۔ سیّدہ نفیسہ امیر مصر السری بن الحکم کے گھر میں مقیم رہیں۔

علامہ اجھموری کہتے ہیں کہ سیّدہ نفیسہ نے اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھودی اور اس کی حالت کو درست کرنے کو کہا اپنے خالق حقیقی سے ملاقات کی بہت مشتاق تھیں۔ دنیا کی ظاہری زیب و زینت سے بے رغبتی کے سبب وہ اپنی قبر میں اترتیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لیے آخرت کی یاد میں نوافل ادا کرتیں اور اس کا ثواب مسلمان اہل القبور کو پہنچاتیں۔

زینب بنت یحییٰ کہتی ہیں کہ میری پھوپھی جان یکم رجب کو بیمار ہوئیں۔ ان کے شوہر اس وقت مدینہ

میں تھے۔ انہیں خط لکھا کہ وہ واپس آ جائیں۔ اس حقیقت کو بھانپتے ہوئے کہ اب ان کا آخری وقت ہے وہ آخرت کو خوش آمدید کہتے ہوئے دنیا سے جدا ہونے والی ہیں۔ وہ سخت بیماری کی حالت میں رہیں یہاں تک کہ رمضان المبارک کا آغاز ہو گیا۔ روزے کی حالت میں تھیں کہ شدید تکلیف ہو گئی اطباء ان کے مرض کی دوا تجویز کرنے اور دینے کے لیے آئے انہوں نے انہیں افطاری تک انتظار کرنے کو کہا۔ وہ ان کی روحانی طاقت ہمت اور دین پر حیران تھے کہ انہوں نے بھی آپ سے دعا کی درخواست کی آپ نے ان کے لیے درخواست کی آپ نے ان کے لیے دعا خیر کی اور کہا کہ نہیں میں ایسے ہی روزہ افطار کر لوں معاذ اللہ جبکہ میں نے حالت روزہ میں وفات کی دعا مانگی ہوئی ہے اور اشعار پڑھے۔

زینب کہتی ہیں کہ وہ اسی بیماری کی حالت میں رہیں کہ رمضان المبارک کا پہلا عشرہ مکمل ہو گیا۔ تب بیماری شدید ہو گئی انہوں نے سورۃ الانعام کی تلاوت کرنا شروع کر دی۔ جب وہ اس آیت پر پہنچیں قل اللہ کتب علی نفسہ الرحمۃ تو ان پر غشی طاری ہو گئی۔ زینب کہتی ہیں کہ میں نے انہیں اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا۔ انہوں نے کلمہ شہادت پڑھا اور ۶۳ برس کی عمر میں ۲۰۸ ھ کو جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ آج سوا بارہ سو سال گزرنے کے باوجود سیدہ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔ دنیا آج بھی ان سے فیوض و برکات لینے کے لیے قاہرہ جاتی ہے۔ سیدہ نفیسہ کی وصیت کے مطابق ان کی زمین کا معاملہ ان کے شوہر کے سپرد کر دیا گیا۔ ان کی بیماری کے دوران وہ حالتِ سفر میں تھے اور وفات کے دن پہنچے۔ انہوں نے ان کے لیے تابوت تیار کروایا اور جنت البقیع میں دفن کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اہلِ مصر پر یہ خبر شاق گزری۔ انہوں نے عبداللہ الخیری امیرِ مصر سے درخواست کی کہ وہ اسحاق المؤتمن کو کہیں کہ سیدہ نفیسہ کو یہاں دفن کریں۔ وہ تو اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھود چکی ہیں لیکن وہ اس بات پر راضی نہ ہوئے۔ اہلِ مصر نے بہت غم میں رات بسر کی۔ جب صبح ہوئی وہ دوبارہ ان کے شوہر کے پاس آئے اور انہوں نے انہیں اس مزاج میں نہ پایا جو گزشتہ دن تھا۔ انہوں نے خوشی سے یہاں دفن کرنے کی اجازت دے دی اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، انہوں نے مجھ سے کہا، اے اسحاق! ان کو ان کے پاس دفن کر دو۔ اہلِ مصر خوش ہو گئے اور فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔

عالم اسلام کے اطراف و اکناف سے لوگ ان کی وفات کی خبر سن کر مصر آئے۔ مصر اس وقت شدید غم اور گہرے دکھ میں تھا۔ ان کی وفات کے بعد جو کوئی بھی ان کی قبر کی زیارت کو آتا وہ آپ کی برکات سے فیض یاب ضرور ہوتا۔ غم زدہ اللہ تعالیٰ سے گریہ زاری کرتے تو ان کے غم ختم ہو جاتے، خوفزدہ، ظلم سے ڈرے ہوئے، بربادیوں سے دوچار تکلیفوں سے نجات پاتے۔ وہ دلی اطمینان لے کر رخصت ہوتے تو گزشتہ احوال کو

الوداع کہہ رہے ہوتے۔ ان کی درگاہ ان کے نفس کی طرح مستجاب الدعوات مشہور ہوگئی۔ وفات کے بعد بھی بہت سی کرامات ان سے منسوب ہیں۔

ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی قبر کی زیارت کی۔ جب میں نے اپنا ہاتھ قبر مبارک پر رکھا تو میں نے ایک آواز سنی "کیا اہلِ بیت کے گھروں میں اس طرح داخل ہوتے ہیں؟"

ابوالعز یمانی کہتے ہیں کہ میں بہت مالدار تھا۔ میرا کنبہ اثر و رسوخ اور جاہ و جلال والا تھا۔ لوگوں کے ساتھ دولت کے نشے میں نفرت و حقارت کے ساتھ پیش آنے کی وجہ سے حالات بہت بدل گئے۔ بے بس و محتاج ہوگیا، زمین تنگ ہوگئی، احباب نے منہ پھیر لیا، دشمن گالیاں دینے لگے۔ ایک دوست نے مشورہ دیا کہ صالحین سے ملو اور اپنے لیے دعائے خیر کرواؤ۔ میں نے ایک دن خواب میں اپنے آپ کو ایک وسیع پرنور میدان میں پایا اور وہ نور لحہ کو ظاہر ہوتا ہے، اگلا لمحہ غائب ہوجاتا ہے، پھر ایسے ہی ہوتا ہے۔ مجھے حیرانی ہوئی کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا کہ یہ سیّدہ نفیسہ کا نور ہے۔ میں نے فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اپنے گناہوں کی اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کو گیا تو سب نے آواز سنی اے ابوالعز میں نفیسہ ہوں اپنے نفس کو پاک کر لو برائی چھوڑ دو۔ میں نے کہا چھوڑ دیا اب ہرگز اس طرف نہ لوٹوں گا۔ میرا دل اطمینان پا گیا۔ حالات بدل گئے۔ مشکلات ختم ہوگئیں۔ (۱۶)

ابن ایاس کہتے ہیں کہ محی الدین بن متری البزدار جو سیّدہ نفیسہ کے مزار کے قریب رہتے تھے۔ ان کی سات سالہ بچی سونے کا تاج سر پر پہنے کھیل رہی تھی کہ ایک نوعمر لڑکے نے دیکھا تو اس کی نیت خراب ہوگئی اس نے اپنے ساتھ ایک اور لڑکا لیا اور بچی کو بہلا پھسلا کر کہ مزار سے دور ذرا ویران جگہ پر لے گیا۔ تاج اتار لیا اور بچی کو قتل کر دیا بچی وہاں ایک دن اور ایک رات پڑی رہی۔ ماں باپ نے بہت تلاش کیا آخر باپ نے سنار کو واقعہ سنایا اور کہا کوئی تاج بیچنے آئے تو بتائے۔ اسی وقت ایک لڑکا تاج سستے داموں پر بیچنے آ گیا۔ اس کو پکڑ کیا لیا اور امیر کے پاس لے گیا اور اسے پابند سلاسل کر کے کہا کہ وہ جگہ دکھاؤ جہاں بچی کو قتل کر کے پھینکا ہے۔ لڑکی کے باپ نے دیکھا تو لڑکی کو زندہ پایا اگرچہ وہ مذبوحہ تھی۔ امیر نے آلہ قتل منگوایا۔ بچی بچ گئی کیونکہ اس کی حبل الورید نہ کٹی تھی۔ بچی نے بتایا کہ جب انہوں نے مجھے قتل کیا اور پھینک گئے تو ایک عورت نقاب پوش آئیں انہوں نے کہا ڈرو نہیں میں سیّدہ نفیسہ ہوں۔ کل تم اس جگہ سے خلاصی پا جاؤ گی میرے خون کو چھوا تو وہ بہنا بند ہوگیا اس طرح میری جان بچ گئی۔ یہ واقعہ مصر میں بہت مشہور ہوا۔

امام شعرانی نے ابوالشیخ محمد بن محمد المعروف محمد الشاذلی کو کہتے سنا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو

خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا۔ اے محمد! جب کوئی تمہاری حاجت اللہ تعالیٰ سے تو نفیسہ طاہرہ کے ہاں نذر مانگو اگرچہ تم اپنے گھر میں ہی مقیم کیوں نہ ہو اللہ تمہاری حاجت پوری کرے گا۔

تاریخ اسلام میں ایسی بے شمار ہستیاں ہیں جو زہد و تقویٰ و پاکیزگی عبادت وریاضت اور مخلوق خدا کی خدمت کی بدولت انھوں نے قرب الٰہی حاصل کیا۔ ان کی سیرت، انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ ایسی ہی ہستی تھیں جن سے صوفیہ اور آئمہ کرام نے اپنے دامن کو فیوضات سے معطر کیا۔ اس تحریر کا مقصد انہی کا ذکر کر کے اپنے قلوب واذہان کو منور کرنا ہے۔

♦♦♦

حوالہ جات

۱۔ طبری،محمد بن ابوالقاسم،ابوجعفر،بشارۃ المصطفیٰ،مکتبہ حیدریہ،نجف اشرف،طبع ثانی،۱۹۶۳ء،ج۸،ص۲۷

۲۔ **تقی،حسین بن محمد،بحار الانوار،دار الطباعۃ المخصوصۃ،ج۲۵،ص۲۱۴**

۳۔ العسقلانی،احمد بن علی بن حجر،تہذیب التہذیب،مطبعۃ دائرۃ المعارف ہند،ج۱۱،ص۲۳۶۔۳۷

۴۔ مصدر سابق،ج۱،ص۲۰۔۲۴

۵۔ ابراہیم:۳۴۔۳۵

۶۔ المزمل:۲۰

۷۔ الاصفہانی،ابونعیم،حلیۃ الاولیاء،مطبع دار السعادۃ،۱۹۵۵ء،ج۲،ص۳۷،المقریزی،تقی الدین،خطط المقریزی،دار الطباعۃ المصریہ،۱۹۸۵ء،ج۴،ص۳۲۵

۸۔ مصدر سابق،ص۳۳۔۴۷

۹۔ مصدر سابق،ج۴،ص۳۲۶،السخاوی،تحفۃ الاحباب وبغیۃ الطلاب،مصر،۱۹۹۳ء،ص۱۰۵۔۶

۱۰۔ مصدر سابق،ج۴،ص۳۳۶

۱۱۔ خطط المقریزی،ص۳۲۶،تحفۃ الاحباب،ص۱۵۹

۱۲۔ مصدر سابق

۱۳۔ مصدر سابق،تحفۃ الاحباب،ص۱۰۸

۱۴۔ تحفۃ الاحباب،ص۱۰۹

۱۵۔ خطط المقریزی،ج۴،ص۳۳۵

۱۶۔ توفیق،ابوعلم،تحقیق:شوقی محمد،السیدۃ نفیسہ،طبع ثانی،تہران ایران،۲۰۰۸ء،ص۱۹۶

♦♦♦

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ: حیات وخدمات

محمد الطاف سلطانی ☆
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری ☆☆

Abstract:
Hazrdat Khawaja Muhammad Sadiq Naqashabandi is great sufi of the Sub-Continental. He passed all his life in the light of teachings of Islam and Sunnah of Holy Prophet(SAWW). He preached and did arrangement for spiritual training as an actual objective of life. He served all maniknd and played an important role in solving all its spiritual problems. Due to his great contribution in Tasawwuf, all learned personalities praised him.

Key Words:
Khawaja, Sadiq, Sub-continental, Arrangement, Tasawwuf, Praised.

دین وملت کا درد رکھنے والی شہرہ آفاق شخصیات میں ایک خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہے، جن کی زندگی کا ہر لمحہ دین کی خدمت میں گزرا، آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے معتقدین اور حلقہ ارادت میں آنے والے احباب کو مقصد حیات سے نہ صرف آگاہ کیا بلکہ خود بھی اسے مدِّ نظر رکھا اور

☆ ایم فل اسکالر، شعبہ اسلامیات، منہاج یونیورسٹی، لاہور
☆☆ چیئر مین شعبہ عربی، منہاج یونیورسٹی، لاہور

اپنے ملنے والے ساتھیوں کو بھی ایسا کرنے کی تاکید فرمائی، یہ سب کچھ آپ کو اپنے خاندان سے ورثے میں ملا تھا۔

پیدائش:

علم وحکمت کا یہ آفتاب 25 دسمبر 1921ء بمطابق ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ بمطابق ۱۱ پوہ بکرمی بروز اتوار طلوع ہوا۔ [۱]

آپ کے والد گرامی کا نام خواجہ سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ ہے جو کہ قبلہ عالم کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی پیدائش اپنے آبائی گاؤں چیچیاں میر پور میں ہوئی، آپ کی پیدائش اس حجرہ میں ہوئی جس کے سامنے چھوٹا سا برآمدہ اور مختصر سا صحن تھا۔ اس حجرے سے مسجد کی طرف ایک کھڑکی کھلتی تھی۔ حجرے کی دیواریں پتھر سے کاٹی ہوئی تھیں ڈول لکڑیوں کی تھی۔ حجرے کی اونچائی بھی کوئی خاص زیادہ نہ تھی۔ [۲]

ابتدائی تعلیم:

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی۔ آپ کو اپنی بسم اللہ خوانی کی تقریب یاد تھی۔ آپ نے فرمایا جب والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے میری تعلیم کا آغاز فرمایا تو سب سے پہلے مجھے درود شریف پڑھایا پھر قصیدہ بردہ شریف کا یہ شعر پڑھایا:

كفاك بالعلم فى الامى معجزة

فى الجاهلية والتاديب فى اليتم

آپ نے قرآن مجید ناظرہ اور حفظ اپنے والد گرامی سے کیا۔ تجوید کے کچھ اسباق لاہور کے قاری صاحب سے پڑھے۔ [۳]

پرائمری کی تعلیم:

پرائمری تعلیم کے لیے آپ کو پرائمری سکول لڈر میں داخل کروایا گیا۔ یہ سکول آپ کے چیچیاں سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ اس زمانہ میں پرائمری تعلیم پہلی چار جماعتوں تک ہوتی تھی، پرائمری کی تعلیم کے بعد آپ کو ہائی سکول میر پور میں داخل کروایا گیا، آپ کے والد گرامی کا انتقال ہوا، اس اچانک وصال نے آپ کی زندگی کے رخ کو موڑ دیا۔ اب گھر میں کم سن بہنیں اور والدہ تھیں، آپ نے والدہ ماجدہ کی زیر سرپرستی علم دین کی تحصیل شروع کر دی۔ [۴]

اساتذۂ کرام:

حضرت خواجہ صاحب کے اساتذہ کے اسماء گرامی مختلف کتب میں اس طرح ذکر کئے گئے ہیں:

☆ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی حضرت خواجہ محمد سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ

☆ حضرت مولانا حکیم محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ

☆ حضرت مولانا محمد عبداللہ لدڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بیعت اور سلوک طریقت:

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد گرامی خواجہ سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ کے دست بیعت تھے۔ خود فرماتے ہیں: ''ایک دفعہ والد گرامی حاجی غلام مصطفی کو بیعت کررہے تھے، میرے دل میں بھی بیعت کا شوق پیدا ہوگیا فوراً والدہ محترمہ کے پاس جا کر کہا میرے ہم جماعت بیعت ہورہے ہیں میں بھی بیعت ہونا چاہتا ہوں، وہ نانی صاحبہ کے پاس گئیں، انہیں خواجہ سلطانِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجا، خواجہ سلطان عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تین جگہیں ہیں۔ (۱) باولی شریف (۲) ڈھنگروٹ شریف (۳) گوڑہ سیداں شریف یہ سن کر میں نے جواب دیا یہ آپ کے پیر خانے ہیں مجھے آپ کافی ہیں۔ اس جواب پر آپ کے چہرے پر خوشی کا اظہار ہوا اور ہاتھ بڑھا کر سلسلہ عالیہ میں شامل کرلیا۔ اس کے بعد مولانا غلام نبی کو فرمایا: ''ان کو توجہ دو''[۵]

وصال:

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ۳۱ دسمبر ۲۰۰۸ء اس دنیا فانی سے رخصت ہوئے۔[۶]

خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت و کردار:

اخلاص:

اسلام اور دیگر الہامی مذاہب میں قدر مشترک پائی جاتی ہے کہ ان سب کا خطاب براہ راست انسانی دل کو ہے، اخلاق ہوں یا عبادات، عقائد ہوں یا معاملات، کردار ہو یا اعمال ہر مرحلہ پر اسلامی احکام کا روئے سخن دل کی جانب ہی ہوتا ہے، دل ہی وہ مقام ہے جہاں سے ہر اچھے برے کام کی تحریک کی ابتداء ہوتی ہے، اسی لیے اسلامی تعلیمات کی رو سے نیک کام وہ ہے جس کا مقصد صرف اور صرف رب تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور اس کی رضا کا حصول ہو، اسی جذبے کا نام اخلاص ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے اپنے حلقہ اثر میں اسی

وصف کو اپنانے کی ہمیشہ تلقین کی۔ آپ نے ریا کاری اور دکھاوے سے خود بھی عملی طور پر نفرت کی اور لوگوں کو بھی اس کے عواقب ونتائج سے باخبر فرمایا۔

حضرت خواجہ محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مجالس میں اخلاص کی اہمیت اور ریا کاری کی مذمت کو واضح انداز میں بیان فرمایا، آپکا ارشاد گرامی ہے:

''اخلاص کے ساتھ عمل اگر تھوڑا بھی ہوتو وہ پہاڑوں جیسا ہوتا ہے۔ اور بغیر اخلاص کے اعمال اگر پہاڑوں کے برابر ہوں تو وہ لکڑیوں کے ڈھیر کی مانند ہوتے ہیں جن کو آگ فنا کر کے خاکستر بنا دیتی ہے۔''(۷)

ایک مجلس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اخلاص کی قدر فرماتا ہے جو کام اس کی رضا کے حصول کیلئے اخلاص اور نیک نیتی سے کیا جائے اس میں خیر و برکت ہوتی ہے۔''

ایک دفعہ فرمایا: ''عمل وہی باقی رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کیا جائے، کیوں کہ وہ ذات باقی ہے، اور اس کی خوشنودی کیلئے کیا جانے والا کام بھی باقی رہتا ہے۔''(۸)

حضرت خواجہ صاحب کا زہد:

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے صفات حسنہ اور اخلاق فاضلہ کا ایک بہترین نمونہ بنایا تھا، دوسرے اوصاف حسنہ کی مانند اگر زُہد وورع کے زاویہ سے آپ کی سیرت کا جائزہ لیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس صفت حسنہ میں بھی اپنی مثال آپ ہی تھے، اس معاملے میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ اللہ والوں کی علامت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''انہیں کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے پر ملال یا خوشی نہیں ہوتی، اللہ والے قلت و کثرت سے بے نیاز ہو کر مطمئن زندگی گزارتے ہیں، جب کہ دنیا دار سب کچھ ہونے کے باوجود مضطرب اور پریشان رہتے ہیں، سوچ کا یہ فرق دونوں کی زندگی کے ہر مقام پر نمایاں نظر آتا ہے''۔(۹)

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہزاروں لاکھوں روپے نذرانے آتے لیکن آپ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ غروب آفتاب سے پہلے ان کو کارہائے خیر کی مختلف مدات میں تقسیم فرما کر متعلقہ افراد کے حوالہ فرما دیتے اور خالی ہاتھ ہو جاتے، نذرانوں کی آمدنی کا ایک ایک پیسہ آپ امانت خیال فرماتے، اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کیلئے اس میں کچھ پاس نہ رکھتے، ایک دفعہ امانت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: کبھی کبھار جب پوتے، نواسے اور نواسیاں آتی ہیں تو ان کو رخصت کرتے وقت وسائل کی تنگی کا احساس ہوتا ہے، بندہ کے

پاس اپنا ذاتی کچھ اثاثہ نہیں ہوتا، جس سے ان کی دل جوئی کی جائے، سنگی جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ امانت ہوتا ہے اور اس میں اپنی ذات کیلئے ایسے اخراجات کرنے کا میں اپنے آپ کو مجاز نہیں سمجھتا بلکہ ان امانتوں کو مدارس، مساجد اور دیگر رفاہی کاموں میں صرف کر دیا جاتا ہے، سنگی اس اعتماد کے ساتھ نذرانے پیش کرتے ہیں کہ کسی کار میں خیر صرف ہوں گے۔

ایک دفعہ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج تک دِل میں خیال نہیں آیا کہ کچھ اپنی ذات کیلئے رکھ لیا جائے۔''(۱۰)

شکر:

حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں آپ کی زندگی میں سیرت طیبہ کا حسن جھلملاتا نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کے بھرپور جذبہ سے آپ عمر بھر سرشار رہے، کسی بھی نعمت کو ہلکا نہ جانا، ہر نعمت کی کما حقہ قدر فرمائی، اور اس کی تلقین اپنے احباب طریقت کو فرمائی۔(۱۱)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بھر دکھ، درد تکلیف کو بھی نعمت الٰہیہ جانا اور اس پر شکر ادا فرماتے رہے۔ چنانچہ کسی نے آپ سے صحت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: ''قلق، درد اور مرض سے کون خالی ہے؟ وقت گزر رہا ہے اللہ کا شکر ہے۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ سادگی کا مرقع تھی، سادہ کھانا اور سادہ پہناوا زندگی بھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شیوہ رہا، کسی ٹھاٹھ باٹھ کو آپ نے اپنی زندگی میں داخل نہ ہونے دیا، ہر اچھی چیز جو آپ کی خدمت میں بطور تحفہ یا نذرانہ پہنچتی آپ کی کوشش ہوتی کہ وہ بہتر جگہ پر پہنچے آپ ایسی اشیاء کو مشائخ کرام کی اولادوں، علماء اور دربار عالیہ میں موجود مہمانوں میں تقسیم فرما دیتے، یا انہیں بازار بھیج دیتے اور ان سے حاصل ہونے والی رقوم کو مدارس، مساجد وغیرہ کارہائے خیر میں وقف فرما دیتے۔(۱۲)

صبر:

صبر کا لغوی معنی حبس اور منع ہے، یعنی کسی شے کو روک دینا، اللہ کی ساری مخلوق میں صبر صرف انسان کا خاصہ ہے، صبر کسی اور مخلوق میں نہیں ہے۔ انسان ملکیت اور ہیمیت دونوں کا مجموعہ ہے، وہ اوامر ونواہی کا مکلف ہے، اس لیے قدم قدم پر اسے اپنی خلاف شرع خواہشات کو دبانا پڑتا ہے، انہیں لگام دینا پڑتی ہے، اسی کا نام صبر ہے۔ حضرت خواجہ محمد صاق رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عمر صبر کو اپنایا اور اپنے حلقہ ارادت میں لوگوں کو بھی اس کی

تلقین کی۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی معالج آپ رحمۃ اللہ علیہ پر مختلف امراض کا ہجوم، ان کی شدت اور آپ کے کمال صبر واستقامت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت خواجہ محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دوران علالت بخار، بلڈ شوگر 500 سے زائد، گردن کا شدید درد، پتہ کا درد، پاؤں کی سوجن، پیٹ کا پھول جانا، سینہ کے بالمقابل پیٹھ پر تکلیف اور کھانا نہ کھانا یہ تمام چیزیں ساتھ ساتھ چلتی رہیں لیکن اس کے باوجود چہرہ مبارک پر تکلیف کے آثار دکھائی نہ دیتے۔لیکن زبان مبارک پر توبہ واستغفار، اللہ تعالیٰ کا ذکر، تلاوت قرآن مجید جاری رہی، یہ سب کچھ سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک عام انسان ان حالات میں ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی برداشت نہیں کرسکتا لیکن آپ ہیں کہ ان تکالیف کے باوجود آنے جانے والے مہمانوں کی خبر گری فرماتے رہے، کبھی فرماتے ان کو کھانا کھلائیں، کبھی ارشاد فرماتے چاہے پلائیں۔''(۱۳)

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے عقیدت مندوں کو پریشانیوں، مصائب اور آلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے، ایک سنگی حاضر ہوا اور عرض کی میرا بیٹا ایک پریشانی میں مبتلا ہے اس کا کچھ حل بتائیں۔تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: '' اپنی مصیبت کو سامنے رکھ کر اس آیہ کریمہ کا ورد کیا کرے''(۱۴)

کئی دفعہ بعض احباب طریقت حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں اپنے بھائیوں اور دوسرے اعزہ واقرباء کی شکایت کرتے کہ انہوں نے ظلم اور زیادتی کی ہے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ انہیں جواب میں صبر کرنے کا حکم دیتے۔(۱۵)

تواضع:

تواضع ایسی نعمت ہے جس پر کوئی حسد نہیں کرتا اور تکبر ایسی بلا ہے جس میں موجود ہو کوئی اس پر رحم نہیں کرتا، عزت تواضع اختیار کرنے میں ہے جو کوئی اسے تکبر میں تلاش کرے اسے یہ میسر نہیں آسکتی ہے۔ یہ اتنی اہم اخلاقی قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے اپنانے کا حکم دیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَاخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِلۡمُؤۡمنین۔''(۱۶)

اپنا بازو مومنوں کیلئے جھکا دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کی صفات میں ارشاد فرمایا:

"وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا"(۱۷)

خدائے رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو وہ ان کو سلام کہہ دیتے ہیں۔

ان آیات میں ہمیں تواضع اور عاجزی کے مختلف انداز بتائے ہیں مقصد یہ ہے کہ انسان کے لئے مناسب اور سکون یہ ہے کہ اس کے ہر قول، فعل، حرکت اور سکون سے تواضع اور عاجزی کا اظہار ہونا چاہئے کیوں کہ یہی بندگی کا تقاضا ہے۔

جب ہم حضرت خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی ذات میں یہ صفت اپنے پوری جوبن اور کمال سے موجود تھی، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی اس عادت کو اپنے سینے سے لگائے رکھا، آپ کے ہر عمل، قول اور حرکت میں اس کا اظہار ہمیشہ ہوتا رہا، کسی تعلیٰ، غرور اور تکبر کا وہاں تصور تک نہ تھا۔

درج ذیل حقائق اس دعوے کی تائید کرتے ہیں، آپ کی بارگاہ میں ضرورت منداور حاجت مند لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا، وہ اپنی تمام پریشانیاں آپ کی خدمت میں پیش کرکے توجہ اور دعا کی درخواست کیا کرتے۔ آپ ان میں بعض کو فرماتے:

"میں آپ کیلئے دعا گو ہوں آپ بھی میرے لیے دعا کیا کریں، تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے، میں خود پریشان ہوں نہ معلوم انجام کیا ہوگا" بعض اوقات یوں ارشاد فرماتے:

"بندے کو چاہئے کہ اس پاک ذات کے احکام کی اطاعت کرے اور اس اطاعت گزینی کو اس کی رضا کا ذریعہ بنائے، عاجزی وانکساری کو اپنی زندگی کا شعار بنانے کیلئے ہر آن اس کے احکام پیش نظر رکھے، مشکلات اور مصائب پر شکایت نہ کرے، صبر سے کام لے، صبر سے کام لینے والے ہی کامیاب وکامران ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت، مدد اور نصرت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔"(۱۸)

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرماتے تھے: "کیسی کو کسی کا سہارا ہوتا ہے کسی کو کسی اور کا، اس بندہ کا

عاجز کو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک ﷺ اور آپ درویشوں کی ہمدردی پر بھروسہ ہے، دعا کریں اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے کاموں کی توفیق دے شامل حال رکھے۔"(۱۹)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عاجز و نیاز کے سانچے میں ڈھل کر فرمایا:

"ہمارے ساتھ عقیدت کے باعث اگر کسی کو کوئی فائدہ پہنچ جائے تو اس میں ہمارا کیا کمال ہے، کمال تو اس ذات پاک کا ہے جو عقیدت مند کو چلا کر لائی اور پھر اس کا کام بنا دیا۔"(۲۰)

مال و متاع سے بے نیازی:

عموماً خانقاہی نظام میں یہ قانون ہوتا ہے کہ مرید اپنے شیخ کو نذرانے پیش کرتے ہیں اور شیخ قبول فرماتے ہیں۔ اب تو یہ مرور زمانہ رسم بن چکی ہے کہ مرید اپنے پیر کو نذرانے پیش کرتے ہیں کہ مرید آئیں اور نذرانے پیش کریں۔ کچھ احباب کو مریدوں کی خوشحالی اور بدحالی کا احساس تک نہیں ہوتا۔

خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عمل کو رسم بننے سے روکنے کے لیے اپنے حلقہ ارادت میں داخل ہونے والوں کو ہدایت فرما رکھی تھی: ساتھی خالی ہاتھ آیا کریں، یہاں اپنے گھروں کی طرح رہا کریں کسی قسم کا تکلف نہ کیا کریں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بزرگوں کی خدمت میں کچھ نذرانہ پیش کرنا ادب کے قرینوں میں سے ایک قرینہ ہے مگر حالات ساتھ نہ دیں تو باہمی ملاقات میں یہ عادت رکاوٹ نہ بنے۔ اگر کسی ساتھی کا نذارنہ ہٹا دیا جائے تو ساتھی کی دل آزاری ہوگی۔(۲۱)

آپ کی طرف سے اس ممانعت کے باوجود کچھ ساتھی جذبہ خدمت سے مغلوب ہو کر نذرانے پیش کرتے تھے۔ روزانہ لاکھوں کی تعداد میں نذرانے ہو جاتے آپ شام سے پہلے یہ نذرانے مختلف مدات میں تقسیم فرما دیتے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کا لباس کھدر کا ہی تھا، مسلسل کئی دن روزے سے رہتے، کھردری چٹائی یا ہلکا قالین کا ٹکڑا آپ کی مسند رہتا، دیسی طرز کا جوتا آپ کا پاپوش تھا، رسیوں سے بنی ہوئی چارپائی آپ کی آرام گاہ تھی، نذرانوں کی آمدن کا مصرف مدارس اور مساجد ہوتی تھیں، جو کچھ آتا راہِ خدا میں صرف کر دیتے تھے۔(۲۲)

ایک دفعہ ایک صاحب کو رخصت کے وقت پچاس روپے اور مٹھائی کا ایک ڈبہ دے کر ارشاد فرمایا: "یہ چیزیں دینے کا مقصد نذرانے دینے میں تحریک پیدا کرنا نہیں بلکہ آپ جب بھی آیا کریں خالی ہاتھ آیا کریں"۔(۲۳)

آپ کا یہ کردار سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کچھ آتا آپ شام سے پہلے تقسیم فرما دیتے۔

دنیوی معاملات میں عدم دلچسپی:

خواجہ محمد صادق نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت توجہ الی اللہ میں مشغول رہتے۔حتیٰ کہ آپ کو دنیوی معاملات سے بالکل عدم دلچسپی تھی، ایک دفعہ آپ نے فرمایا:''ایک بار ساتھیوں نے مجھے فوجیوں کے کندھوں پر لگے نشانوں سے ان کے عہدوں کی پہچان بتائی مگر مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس شخص کا عہدہ کیا ہے''۔ایک دفعہ فرمایا: مجھے ٹیلی فون کے استعمال کا طریقہ نہیں آتا اتنا بھی معلوم نہیں کہ کس طرف سے سنتے ہیں، ماضی میں ایک درویش نے فون پر بات کرنا چاہی تو میں نے درویشیوں کے ذریعے ان کو پیغام دیا کہ میں ٹیلی فون سے بات کرنے سے بہرہ ہوں۔''(۲۴)

سبحان اللہ! عصر حاضر کا ایک شیخ طریقت دنیوی امور سے کس قدر بے رغبت مگر اس کے باوجود احباب کے حالات سے ہمہ وقت آگاہ، مہمانوں کی خدمت اور تواضع کا بھی بھرپور اہتمام۔

♦♦♦

حوالہ جات

۱۔ محمد علیم الدین،مفتی،تذکرۂ جاناں،مکتبہ سلطانیہ جہلم، ۲۰۱۴ء،ص:۱۵

۲۔ فیض عالم،حاجی، بیاض فیض،مکتبہ سلطانیہ جہلم، ۲۰۰۰ء،ص:۴۱

۳۔ محمد علیم الدین،مفتی،آفتاب مشائخ،مکتبہ سلطانیہ جہلم، ۲۰۱۴ء،ص:۴۵۹

۴۔ تذکرۂ جاناں،ص:۲۳

۵۔ بیاض فیض،ص:۴۱

۶۔ آفتاب مشائخ،ص:۵۴۶

۷۔ محمد علیم الدین،مفتی،ارمغان طریقت،مکتبہ سلطانیہ،جہلم،۲۰۱۱ء،ص:۵۵

۸۔ محمد علیم الدین،مفتی،نور خانقاہ ہدایت،ص:۲۴

۹۔ مرجع سابق،ص:۱۲۲

۱۰۔ محمد علیم الدین،مفتی،تذکرہ جاناں،ص:۱۴۹

۱۱۔ محمد علیم الدین،مفتی،نور خانقاہ ہدایت،ص:۱۲۴

۱۲۔ معین نظامی،ڈاکٹر،تذکرہ سلطانیہ،مکتبہ سلطانیہ جہلم،۲۰۰۹ء،ص:۲۲۰

۱۳۔ نور خانقاہ ہدایت،ص:۱۴۴

۱۴۔ مرجع سابق،ص:۱۴۶

۱۵۔ اکبر داد، پروفیسر،مکاتیب الفردوس،مطبوعہ الحسن پبلیشر فیصل آباد،۲۰۰۶ء،ج:۲،ص ۲۶۵

۱۶۔ الحجرات،۴۹:۸۸

۱۷۔ الفرقان،۲۵:۶۳

۱۸۔ محمد علیم الدین،مفتی،نور خانقاہ ہدایت،ص:۲۴

۱۹۔ اکبر داد، پروفیسر،مکاتیب الفردوس،ج:۱،ص:۲۶۸

۲۰۔ محمد علیم الدین،مفتی،نور خانقاہ ہدایت،ص:۸۹

۲۱۔ محمد علیم الدین،مفتی،تذکرہ جاناں،ص:۲۴۹

۲۲۔ محمد علیم الدین،مفتی،نور خانقاہ ہدایت،ص:۹۹

۲۳۔ مرجع سابق،ص:۱۰۱

۲۴۔ محمد علیم الدین،مفتی،تذکرہ جاناں،ص:۲۴۹

♦♦♦

بدیع الزمان سعید نورسی کے صوفیانہ افکار
(رسائلِ نور کی روشنی میں خصوصی مطالعہ)

انصر جمال ☆
ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس ☆☆

Abstract:

"In the twentieth century Said Nursi was a renowned scholar of Turkish origin. He brought people to the righteous path through his teachings and thoughts, especially reformed deeds and morals of people. He also informed people about the concept of Mysticism, so that they can be saved from misguidance. He defined Mysticism,its types, conditions and benifits so that people could be diverted towards Mysticism and that their spiritual values be enhanced.

Key Words:

Scholar, Turkish, People, Righteous, Informed, Mysticism, Misguidance, Benefits, Spiritual.

بدیع الزمان سعید نورسی ترکی کی وہ مشہور شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے عالی صوفیانہ افکار کے ذریعے اُنیسویں وبیسویں صدی عیسوی میں ترکی میں اسلامی تعلیمات کو فروغ دیا اور عوام الناس کو بھولا ہوا سبق یاد

☆ ایم فل سکالر، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد
☆☆ ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، جی سی یونی ورسٹی فیصل آباد

کرواتے ہوئے اُن کی اخلاقی ،علمی وعملی تربیت بھی کی ۔جس سے مسلم اُمہ میں اتحاد واتفاق پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ قلوب میں ایمان کی پختگی بھی قائم ہوئی اور اُنہوں نے یورپی ثقافت کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اسلامی تہذیب وثقافت کواپنا مشغلہ بنالیا۔

گھریلو ماحول:

نورسی خوش قسمت ہیں کہ اُن کو ایسا گھریلو ماحول میسر ہوا جس نے اُن کی شخصیت میں ابتداء سے ہی نکھار پیدا کیااورتقوی اختیار کرنے والا بنایا کیونکہ آپ کے والد محترم صوفی میرزا انتہائی نیک و پارسا شخص تھے جنہوں نے کبھی بھی نہ خود حرام کھایااور نہ ہی اپنی اولاد کوحرام کالقمہ کھلایا یہاں تک کہ جب آپ اپنے مویشیوں کو چارہ کھلانے کے لئے لے کر جاتے تھے تو اُن کے منہ باندھ کر لے جاتے تھے تا کہ وہ کسی دوسرے کے کھیت سے چارہ نہ کھائیں ۔اور آپ کی والدہ (نوریہ) بہت ہی نیک اور تہجد گزار خاتون تھیں اوران سے جس وقت آپ (نورسی) کی تربیت کے متعلق آپ (نورسی) کی اس نایاب ذکاوت کا سوال کیا گیا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنی ساری زندگی میں شرعی معذوری کے علاوہ تہجد کی نماز قضاءنہیں کی اور نہ ہی میں نے اپنی اولاد کوکبھی بغیر طہارت اوروضوء کے دودھ پلایا۔ (۱)

قناعت پسندی:

نورسی اپنے والد کی طرح ایک فقیرالحال شخص تھے لیکن اس کے باوجود آپ کی قناعت پسندی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی بھی کسی کا کوئی ہدیہ،صدقہ اور زکوۃ قبول نہیں کی ،حالانکہ ’’کردستان‘‘ میں یہ عادت تھی کہ طالب علموں کے رزق کو وہاں کے لوگوں کے ذمہ لگا دیا جاتا تھا جو اپنی زکوۃ سے اُن کی امداد کرتے تھے لیکن نورسی نے اس کوقبول نہیں کیااور بعد میں اس کو اپنی قناعت تامہ قرار دیتے ہوئے اس کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ ’’رسائل النور‘‘ یہ خالص ایمان اورآخرت کے لئے خدمت ہے اس کوشخصی منافع سے محفوظ رکھنے کے لئے میں نے لوگوں کے ہدایہ وعطیات کوقبول نہیں کیا بلکہ خود تنگی ومحتاجگی میں زندگی کو بسر کرنا قبول کیا لیکن کسی کا احسان لینا پسند نہیں کیا۔ (۲)

اس سے نورسی کی خودداری کا پتہ چلتا ہے کہ اُن کی خودداری نے ہی اُن کو اتنی کامیابیوں سے نوازا کہ آج اُن کی وفات کو اتنا عرصہ بیت گیا لیکن اُن کے رسائل آج بھی پڑھے جاتے ہیں ۔جن میں نورسی کے صوفیانہ افکار کووضاحت کے ساتھ نہ صرف پڑھا جاسکتا ہے بلکہ اس بات کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نورسی

کے صوفیانہ افکار عصرِ حاضر میں اتنی اہمیت کے حامل ہیں کہ وہ معاشرے کو درست سمت کی طرف گامزن کر سکتے ہیں۔

سلسلۂ طریقت:

نورسی کہتے ہیں کہ جب میری عمر پندرہ برس کے قریب تھی تو میرے سب اہل واقارب طریقت نقشبندیہ کے ساتھ منسلک تھے لیکن میں اپنی زندگی میں جب بھی کوئی ذکر واوراد کرتا تھا تو سب سے پہلا اُس کا ثواب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں ہدیہ کرتا پھر شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو، میں اپنے آپ کو طریقت نقشبندیہ کے ساتھ تین وجوہ سے منسلک کرتا تھا کیونکہ اس سلسلہ کے ساتھ میرے والدین اور اساتذہ منسلک تھے لیکن طبعاً مجھے طریقت قادریہ کے ساتھ محبت تھی۔ (۳)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نورسی بھی ایک صوفی تھے اور اُن کے والدین، عزیز واقارب واساتذہ سلسلہ نقشبندیہ سے وابسطہ تھے لیکن نورسی کو طبعا سلسلہ قادریہ کے ساتھ لگاؤ تھا۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ نورسی سلسلہ نقشبندیہ وقادریہ دونوں کے ساتھ منسلک تھے۔

نورسی نے ''رسائل النور'' میں جیسے قرآنی افکار کو ذکر کیا ہے اسی طرح اُس نے صوفیانہ افکار کو بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے اگرچہ نورسی نے اپنے صوفیانہ افکار کو قرآنی افکار کی طرح بالتفصیل ذکر نہیں کیا لیکن اُن کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کر کے تصوف کے ساتھ اپنے شغف کی طرف اشارہ کر دیا۔

تصوف وطریقت:

نورسی نے تصوف کی تعریف کی ہے کہ طریقت کا ہدف حقائق ایمانیہ وقرآنیہ کی معرفت ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے سائے تلے سلوک روحانی کے ذریعے اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے، لہٰذا طریقت وصوفیت بشر انسانی رفعت وکمالیت تک پہنچا دیتے ہیں۔ (۴)

نورسی نے طریقت وصوفیت کی تعریف میں واشگاف الفاظ میں اس بات کا اظہار کر دیا ہے کہ تصوف یہ قرآن وسنت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ تو قرآن وسنت کے عین مطابق ہے کیونکہ تصوف کا ہدف ہی حقائق قرآنیہ کی معرفت ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہی اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

توکل وکوشش:

نورسی نے ''رسائل النور'' میں اپنے صوفیانہ افکار میں سے توکل وکوشش کو بھی ذکر کیا ہے تاکہ مسلمان

خواب غفلت سے بیدار ہوں اور اسلام کی ترقی و بلندی کے لئے سر توڑ کوشش کریں۔جیسا کہ نورسی نے لکھا ہے:

جو لوگ دوسروں کی معاونت کے محتاج نہیں ہوتے وہ ایمان قوی کے مالک ہیں اور اُن میں توکل اور تسلیم ہے۔(۵)

نورسی نے اس میں توکل اور محنت کو قوی ایمان والوں کی صفت قرار دیا ہے کہ وہ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں پر انحصار نہیں کرتے کہ دوسروں کی مدد کے منتظر رہتے ہوں بلکہ وہ محنت اور کوشش کرتے ہیں اور اپنا کام خود کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس کام کا انجام اللہ رب العزت کے سپرد کر دیتے ہیں۔

حُبّ جاہ وریا کاری:

نورسی کہتے ہیں کہ ہر انسان میں جزوی یا کلی طور پر دنیا کے جاہ وجلال کو حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے جو کہ ریاء بعینہ ہے اور اخلاق رزیلہ میں سے اکثر کا منبع بھی یہی ہے۔انسان کی توجہ ان باتوں کی طرف نہیں ہونی چاہئے کیونکہ اس سے وہ آخرت اور قبر سے غافل ہو کر لہوولعب میں مبتلا ہو جائے گا۔کیونکہ یہ مومن کا شیوہ نہیں ہے اس لئے کہ آدمی جب جب شہرت اور ریا کاری کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ بدعات کا ارتکاب بھی کرنا شروع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اہل ایمان اور صوفیہ کی نظر میں درک اسفل کی طرف گر پڑتا ہے،اس لئے کہ مومن چاہے جاہل اور بیوقوف ہی کیوں نہ ہو لیکن اُس کا دل ان باتوں کا شعور ضرور رکھتا ہے۔۶؎

جیسا کہ حدیث مبارکہ بھی ہے:

ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله(۷)

''مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''

اس سے معلوم ہوا کہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف مائل نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو جاہ وجلال کا تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی کسی مرتبے کا،کیونکہ مومن کے لئے اصل مطمع نظر توجہ الی اللہ ہے اور ان چیزوں کی وجہ سے وہ لہوولعب اور بدعات میں مبتلا ہو کر بھٹک جائے گا اور مومن کی شان میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے یعنی وہ وہی عمل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو کیونکہ ایسے اعمال سے ہی وہ رضائے الٰہی کو حاصل کر سکتا ہے لہٰذا مومن کتنا بھی جاہل اور کم عقل کیوں نہ ہو لیکن ایمان کی وجہ سے اُس میں اتنا شعور ہمیشہ

ہوتا ہے کہ وہ ان چیزوں سے احتراز کرتے ہوئے اپنے آپ کو لغویات وفضولیات سے محفوظ و مامون رکھے۔

سلوک:

سلوک تصوف کا ایک ایسا راستہ ہے جو سہولت کے ساتھ مصائب ومشکلات، مختصر ہونے کے ساتھ طویل، نفاست وعلوم رتبت کے ساتھ ساتھ خطرات سے بھرپور اور اپنی وسعت کے ساتھ ساتھ انتہائی تنگ بھی ہے۔(۸)

نورسی سلوک کے بارے میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سلوک بھی تصوف کی ہی ایک شاخ ہے جس کو اگر ایک نظر سے دیکھا جائے تو وہ بہت آسان، نفیس، وسیع اور مختصر محسوس ہوتی ہے لیکن حقیقت میں وہ انتہائی مشکل، طویل، پُرخطر اور تنگ ہے۔

سلوک کی اقسام:

نورسی نے سلوک کی دو قسمیں بیان کی ہیں:۔

۱۔ سیر انفسی

۲۔ سیر آفاقی

ا۔ سیر انفسی:

سیر انفسی کی ابتداء نفس سے ہوتی ہے اور اس کا صاحب خارج کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور قلب میں لالچ وہ خودغرضی کو ختم کرتا ہے پھر اُس کے دل سے ایک راستہ حقیقت اصلی کی طرف کھولتا ہے اور وہ سُرعت کو پا لیتا ہے کیونکہ وہ حقیقت جس کا اُس نے اپنے نفس کے دائرہ میں مشاہدہ کیا ہے وہ اُس کو آفاق میں مقیاس اکبر کے ذریعے دیکھتا ہے جس سے وہ آفاق تک رسائی حاصل کرتا ہے۔(۹)

نورسی سیر انفسی کو سالک کے لئے ابتدائی درجہ قرار دے رہے ہیں کہ اُس کی ابتداء نفس ہے اور انتہاء آفاق ہے اور اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے سیر انفسی سالک سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو حب الٰہی میں فناء کردے اور اپنی خواہشات کو ختم کردے تاکہ وہ غیر اللہ کی محبت میں مبتلا نہ ہوجائے۔

۲۔ سیر آفاقی:

سیر آفاقی کی ابتداء آفاق سے ہوتی ہے اور اس کا سالک اسماء الحسنیٰ کی تجلیات اور وسیع کائنات کے آفاق میں دائرالله رب العزت کی صفات جلیلہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور آفاق میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے انوار کو

مقیاس اصغر کے ذریعے وہ دیکھتا ہے جس سے اُس کا قلب کُھل جاتا ہے اور وہ قُرب الٰہی نصیب ہو جاتا ہے اور اس بات کا مشاہدہ کرتا ہے کہ اُس کا قلب حقیقت میں مرآۃ الصمد ہے لہٰذا وہ اپنے مقصود کو پا لیتا ہے۔[۱۰]

نورسی سیر آفاقی کو سالک کے لئے انتہائی درجہ قرار دے رہے ہیں کیونکہ اس کا سالک آفاق میں غور وخوض کرتا ہے اور اللہ رب العزت کی تجلیات کا مشاہدہ کرتے ہوئے قُرب الٰہی کو پالیتا ہے جس سے اُس کا دل مرآۃ الصمد کی مانند ہو جاتا ہے یعنی اُس کے دل میں وہی خواہش پیدا ہوتی ہے جو منشاء الٰہی کے عین مطابق ہو۔

سلوک کی شرائط:

سلوک اور ولایت کے مقام کو بآسانی حاصل نہیں کیا جاسکتا اسی لئے نورسی نے اس کی کچھ شرائط بیان کی ہیں جو کہ ایک سالک کے لئے اُن پر عمل پیرا ہونا اشد ضروری ہے جس کے علاوہ وہ سلوک کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا اور نورسی نے اس کی چار شرائط ذکر کی ہیں:۔

۱۔ اتباع سنت

۲۔ اخلاص

۳۔ فکرِ آخرت

۴۔ ذوقِ اداء

۱۔اتباعِ سنت:

نورسی نے اتباع سنت کو ولایت کا راستہ قرار دیا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ولایت کے مرتبے کو حاصل کرنے کے لئے تمام طرق میں سے سب سے عُمدہ،خوبصورت اور پاکیزہ راستہ اتباع سنت نبوی ہے یعنی یہ لائق مسلم ہے کہ وہ اپنے تمام اعمال وتصرفات میں سنت کی پیروی کرے اور احکام شرعیہ کے مطابق اپنے معاملات کو سرانجام دے تاکہ اُس کا ہر عمل عبادت کی شکل اختیار کرلے اور جب وہ ایسا کرنا شروع کردے گا تو وہ ہر معاملے میں اللہ رب العزت کو یاد کرنے والے بن جائے گا اور ذکر الٰہی یہ قلوب کے لئے سکون واطمینان کا باعث ہے جس کی وجہ سے اُس کی زندگی کی ہر ساعت ولمحہ عبادت میں شمار ہوگا اور اُس کو سکون واطمینان بخشے گا۔[۱۱]

نورسی کی اس بات سے معلوم ہوا کہ سلوک کے مقام کو پانے کے لئے کوئی اور راستہ اختیار کرنے کی

ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف اتباع سنت سے ہی اس مقام تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے کیونکہ یہی راستہ صحابہ نے اختیار کیا تھا اور یہی راستہ شریعت کے مطابق ہے اور سلوک بھی شریعت کے مطابق ہے اسی لئے اگر سالک اپنے روزمرہ اعمال وتصرفات ومعاملات کو شریعت کی روشنی میں کرنا شروع کردے گا تو وہ ہر لحظہ عبادت وذکر الٰہی کرنے والا بن جائے گا جس کی وجہ سے وہ اس مقام کو حاصل کرسکتا ہے۔

۲۔اخلاص:

اخلاص ولایت اور طریقت کے تمام طرق کی اساس ہے اس لئے کہ اخلاص شرک خفی سے خلاصی پانے کا واحد راستہ ہے، جو شخص اخلاص کو اپنے دل میں نہیں رکھتا تو وہ سلوک کے باقی راستوں میں بھی نہیں گھوم سکتا۔اسی وجہ سے جن کے قلوب محبت کی وجہ سے معرفت الی اللہ کے طرف مائل ہوں تو وہ لوگ اپنے آپ کو سہولت اور آسانی کے ساتھ ہر خطرے اور وسوسے سے محفوظ رکھتے ہیں یہاں تک کہ اگر زمین کے ہزاروں شیاطین بھی آکر جمع ہوجائیں تب بھی اُن کی محبت کے کمال میں کوئی کمی نہیں آتی کیونکہ وہ اخلاص سے معمور ہیں۔ (۱۲)

نورسی نے سلوک کی دوسری شرط اخلاص کو قرار دیا ہے کیونکہ جہاں اخلاص ہوگا وہاں وساوس نہیں ہوگیں کیونکہ جب اخلاص نہیں ہوتا تو شیطانی وساوس پیدا ہوتے ہیں جو کہ شرک خفی کی طرف لے جاتے ہیں اور انسان کو گمراہ کرنے کا باعث بنتے ہیں اسی لئے ان کے سدّ باب کے لئے اخلاص کا ہونا اشد ضروری ہے۔

۳۔فکرِ آخرت:

یہ دنیا دار العمل اور دار الحکمت ہے دار المکافأۃ اور دار الجزاء نہیں ہے کیونکہ اعمال کی جزاء عالم برزخ اور عالم آخرت میں حاصل ہوگیا ور وہیں اُن کے ثمرات ملیں گیں اور ہمیشہ یہ حقیقت رہی ہے کہ اُخروی اعمال کے ثمرات اور جزاء کا اس دنیا میں مطالبہ نہ کیا جائے، اسی وجہ سے اولیاء جب کسی مشکل یا مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تب بھی وہ شکوہ نہیں کرتے بلکہ اُن کی زبانیں ہمیشہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہی بیان کرتی ہیں۔اور یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ سلوک کے راستے کی طرف رغبت رکھتے ہیں اگر وہ ولایت کے بعض ثمرات کو اس دنیا میں ہی پانے کے خواہشمند ہوگئے جیسے لذات معنویہ اور کرامات،تو اُن ثمرات کو حاصل کرنے کی یہ اُن کی رغبت اس حیات فانیہ میں ہوگی اور وہ ثمرات بھی فانی ہوجائیں گیں جس کی وجہ سے اُن کے اعمال میں وہ

اخلاص بھی ختم ہو جائے گا جس سے وہ ولایت کا ثمرہ حاصل کرتے اور وہ ولایت کے راستے سے بھی بھٹک جائیں گی۔ (۱۳)

نورسی اس بات کی طرف روشنی ڈال رہے ہیں کہ یہ دنیا فانی ہے اور اس کی لذات وانعامات بھی فانی ہے کیونکہ فانی دنیا میں جو بھی لذت ہوگی وہ فانی کے ساتھ ہی فناء ہو جائے گی جبکہ آخرت دائمی وابدی ہے اور اُس کے ثمرات وانعامات بھی ہمیشہ رہنے والے ہیں لہٰذا سالک کو چاہئے کہ اس کا مطمع نظر یہ دنیا نہ ہو بلکہ اُس کی نظر آخرت کی طرف ہو اور وہ اپنے اعمال کی جزاء اس دنیا کی بجائے آخرت میں حاصل کرنے کو ترجیح دینے والا ہو کیونکہ وہی دارالجزاء ہے۔ اور اگر کسی کے دل میں یہ طمع ہو کہ وہ اپنے اعمال حسنہ کے بدلے ولایت کی کرامات کو اس فانی دنیا میں ہی حاصل کرلے تو اُس کے دل سے اخلاص ختم ہو جائے گا اور وہ سالکین میں نہیں رہے گا کیونکہ اُس نے توکل کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ دنیا کی محبت کو ترجیح دیتے ہوئے اور شہرت کو حاصل کرنے کے لئے اس خواہش کا اظہار کیا، لہٰذا وہ سالکین کی فہرست سے خارج ہو جائے گا۔

۴۔ ذوقِ عمل:

تصوف اور طریقت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ سالک کو فرائض وسنن کی ادائی میں لذت وذوق بھی ہو یعنی وہ ہر عمل اپنے ذوق کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے انجام دیتا ہو جیسے نماز کو ادا کرتے وقت اس کے تمام ارکان کو مکمل ذوق اور علی وجہ المطلوب ادا کرے۔ (۱۴)

نورسی اس میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ہر عمل کو مکمل ذوق وشوق سے اداء کرے، کسی بھی عمل کو بوجھ سمجھ کر اداء نہ کرے کیونکہ جب وہ ہر عمل ذوق کے ساتھ اداء کرے گا تو اُس کا دل ودماغ راغب الی اللہ ہوگا اور ہر عمل میں اُس کو لذّت محسوس ہوگی جو اُس کو قُربِ الٰہی کی طرف مائل کرتے ہوئے سلوک آفاقی تک رسائی دے گی۔

الغرض اتباعِ سنت، اخلاص، فکرِ آخرت اور ذوقِ اداء یہ چار شرطیں ایسی ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہونا ہر سالک کے لئے لازم ہے اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو اُس کا شمار سالکین میں نہیں ہوگا کیونکہ یہ تصوف اور سلوک کی بنیادی شرائط میں سے ہیں جن کی پیروی ہر صوفی اور سالک کے ساتھ ساتھ ہر مسلم کو بھی لازم کرنی چاہئے۔

مفسدات تصوف:

نورسی نے ایسے افکار کا بھی ذکر کیا ہے جو تصوف کے لئے مفسد ہیں اور بعض نام نہاد متعصبین صوفیہ میں ایسے بھی افکار موجود ہیں جو ضال و گمراہی کے ساتھ ساتھ کفر کی حد تک لے جانے والے ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ولایت کو نبوت پر ترجیح دینا اور سنت نبوی ﷺ کی پیروی نہ کرنا

۲۔ اولیاء کرام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ پر فوقیت دینا

۳۔ اورادِ طریقت کو اذ کارِ سنت پر ترجیح دینا

۴۔ الہام کو وحی کا رُتبہ دینا

۵۔ تصوف کی وساطت سے کرامات کا حصول

۶۔ کبار اولیاء کو عظیم ترین درجہ دینا

۷۔ دنیوی شان و شوکت کا ذوق رکھنا

۸۔ ولایت کے ثمرات کو دنیا میں ہی حاصل کرنے کی رغبت کرنا ۱۵؎

ان مفسدات کو ذکر کر کے نورسی اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ہر طبقہ میں ایسے افراد موجود ہوتے ہیں جن کا مطمع نظر رضائے الٰہی نہیں بلکہ جاہ وجلال کا حصول ہوتا ہے اور ایسے ہی بعض افراد صوفیہ کی جماعت میں بھی ہوتے ہیں، جن کا درج بالا مفسدات میں سے کوئی بھی مقصد ہوگا وہ صوفیہ کی جماعت میں شمار نہیں ہوگا بلکہ وہ ضالّین کی طبقہ میں شمار ہوگا کیونکہ اُس کا نظریہ اُس کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنے والا ہے۔

طریقت و تصوف کے فوائد و ثمرات:

نورسی طریقت و تصوف کے درج ذیل ثمرات و فوائد ذکر کرتے ہیں:

۱۔ حقائق ایمانیہ کا انکشاف

۲۔ انسان کے وجود حقیقی کی تحقیق

۳۔ تنہائی کی وحشت سے خلاصی

۴۔ تکالیف شرعیہ میں حقائق لطیفہ سے آگہی

۵۔ مقام توکل کا حصول

۶۔ شرک خفی سے نجات

۷۔ ذکر قلبی کا دوام

۸۔ کامل انسان (۱۶)

نورسی تصوف کے ثمرات میں یہ بیان کر رہے ہیں کہ تصوف کی وساطت سے حقائق ایمانیہ سے واقفیت حاصل ہوجاتی ہے اور انسان کو اپنے وجود کی حقیقت کا علم ہوجاتا ہے کہ اُس کو کس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا جس کی وجہ سے انسان کا قلب اللہ رب العزت کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے اخلاق رذیلہ سے چھٹکارا بھی پالیتا ہے اور وہ ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک کامل انسان بن جاتا ہے۔

♦♦♦

حوالہ جات

۱۔ نورسی، بدیع الزمان سعید، سیرۃ ذاتیۃ، احسان قام الصالحی (مترجم) قاہرہ: شرکہ سوزلرللنشر، س ن، ص ۳۵

۲۔ نورسی، سیرۃ ذاتیۃ، ص: ۴۴

۳۔ الصالحی، احسان قاسم، سیرۃ ذاتیۃ مختصرۃ لبدیع الزمان سعید نورسی، قاہرہ: شرکہ سوزلرللنشر، س: ن، ص: ۱۱۔۱۰

۴۔ نورسی، بدیع الزمان سعید، المکتوبات، احسان قام الصالحی (مترجم) قاہرہ: شرکہ سوزلرللنشر، ۲۰۰۱ء، ص ۵۷۱

۵۔ ایضاً، اللمعات، ص ۲۳۴

۶۔ ایضاً، المکتوبات، ص ۵۳۴۔۵۳۲

۷۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، قاہرہ: مکتبہ ابن تیمیہ، ۱۴۰۴ھ، باب: راشد بن سعد المقری عن ابی امامہ، رقم الحدیث: ۷۴۹۷

۸۔ نورسی، المکتوبات، ص: ۵۷۵

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً، ص ۵۸۱

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ایضاً، ص ۵۸۳۔۵۸۲

۱۴۔ ایضاً، ص ۵۸۵۔۵۸۴

۱۵۔ ایضاً، ص ۵۹۰۔۵۸۸

۱۶۔ ایضاً، ص ۵۹۳۔۵۹۱

◆◆◆

تفسیر روح المعانی میں شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی آثار

حافظ آصف علی رضا ☆

Abstract:

This article deals with the unique importance of Shaikh Mujaddid Alif Thani(1564-1624(and his scholarly influence on following generations. Tafseer-Roh-ul-Maani is one of the major tafaseer of thirteenth century hijree and Allama Aalossi(1217-1270AH/1802-1854 .(Is well known scholar and mufasser. He discusses the Quraanic verses in the light of mother books of tafseer and at the end of almost each verse he used to mention tafseer e ishari and here he quoted many quotations from Maktoobat of shaikh mujaddid which prove the authority of shaikh and his impact on Islamic sciences.

Key Words:

Importance, Shaikh, Mujaddid, Alif, Scholarly, Generations, Quranic, Tafsser, Maktoobat, Authority.

جو نابغہ روزگار ہستیاں برصغیر پاک و ہند کے ماتھے کا جھومر ہیں، بلا شبہ ان میں سے ایک نمایاں ترین شخصیت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ جنہوں نے اس سرزمین کو کفر والحاد اور زندقہ و بے دینی سے پاک کرنے کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول و فعل کے ذریعے امت کی ڈگمگاتی ہوئی ناؤ کو سنبھالا اور اپنی پر اثر مساعی اور انتھک جدوجہد کے ذریعے لاکھوں گم گشتگانِ

☆ لیکچرار، عربی زبان وادب، گورنمنٹ کالج، جڑانوالہ

ہدایت کو جادہ مستقیم پر گامزن کیا۔ شیخ مجدد کا فیض آج بھی جاری وساری ہے بالخصوص آپ کے مکتوبات کی صورت میں جو شرق وغرب کے اہلِ فکر ونظر اربابِ دانش وبصیرت کے لیے سرمہ چشم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کے مکتوبات نے ہر دور کے اہلِ قلم کو متاثر کیا اور مختلف اہل علم اور اربابِ ذوق نے اپنی اپنی بساط کے مطابق ان سے بھرپور استفادہ کیا۔

زیرِ نظر مضمون میں ہم صرف ماضی قریب کی ایک معروف ومتداول تفسیر روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم السبع المثانی کا ایک اجمالی جائزہ پیش کریں گے۔ تفسیر مذکور میں مفسر آیات قرآنیہ کی ظاہری تفسیر نصوص قرآن وسنت کی روشنی میں پیش فرمانے کے بعد تفسیر اشاری کے ضمن میں صوفیانہ اقوال اور اشارات بھی نقل کرتے ہیں اسی مقام پر وہ امام ربانی کے اقوال اور مکتوبات کے حوالے بھی ذکر کرتے ہیں۔ جس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مکتوبات مجدد کی اہمیت اہلِ علم کے ہاں کیا ہے اور کیسے آپ کے ارشادات کو بطور حجت و استشھاد پیش کیا جاتا ہے۔

ان چند مقامات میں سے جہاں ایک صاحبِ تفسیر نے شیخ کے مکتوبات کا حوالہ پیش کیا ہے۔ سورہ یونس آیت نمبر ۶۰ ہے ''اور کیا گمان ہے ان لوگوں کا جو افتراء کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹا کہ ان کا حال کیا ہوگا؟''

علامہ آلوسی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ان لوگوں کا رد کیا ہے جو اولیاء کرام کے الہام کا انکار کرتے ہیں۔ اسی ضمن میں اولیاء کرام کے الہام کو ثابت کرنے کے بعد مصنف نے بطور استشہاد امام ربانی کے مکتوبات کے حوالے سے نقل کیا:

> ''مولانا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے بعض فارسی مکتوبات میں فرمایا کہ اہلِ کشف کی تقلید کرنا ان کے کشفی معاملات میں درست نہیں ہے کیونکہ ان کا کشف دوسروں کے لیے حجت اور لازم نہیں ہے۔''(۱)

مفسر نے شیخ مجدد کی جس عبارت کا حوالہ دیا وہ مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب نمبر ۱۳۱ کی عبارت ہے جس میں شیخ کشف کے حوالے سے گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس باب میں آخری بات اتنی ہے کہ خطا کشفی خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے کہ اس پر ملامت وعتاب نہیں ہے بلکہ درجاتِ صواب میں سے ایک درجہ صواب کا ثابت ہے صرف اتنا فرق ہے کہ مجتہدین کے مقلد، مجتہد کا حکم رکھتے ہیں اور خطا کی صورت میں بھی درجات صواب میں سے ایک درجہ صواب کا پاتے ہیں بخلاف ان لوگوں کے جو اہلِ کشف کی تقلید

کرتے ہیں کہ وہ معذور قرار نہیں پاتے اور خطا کی صورت میں درجہ صواب سے محروم رہتے ہیں کیونکہ کشف و الہام دوسرے کے لیے حجت نہیں ہوسکتا لیکن مجتہد کا قول دوسرے کے لیے حجت و دلیل ہے لہٰذا اہلِ کشف کی تقلید احتمالِ خطا کی صورت میں جائز نہیں اور مجتہد کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں بھی جائز اور درست ہے بلکہ واجب ولازم ہے۔''(۲)

اسی مکتوب کا حوالہ مفسر نے اسی جلد کے صفحہ ۱۱۷ پر بھی دیا ہے۔ دوسرا مقام جہاں علامہ آلوسی نے امام ربانی کے مکتوبات کا حوالہ نقل کیا ہے وہ سورہ الرعد کی آیت نمبر ۱۲ ہے جس میں فرمانِ الٰہی ہے:

''وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو تمہیں دکھاتا ہے بجلی (کبھی) ڈرانے کے لیے اور (کبھی) امید دلانے کے لیے اور اٹھاتا ہے (دوش ہوا پر) بھاری بادل۔''

تفسیر اشاری کے ضمن میں مفسر نے ذکر کیا ہے کہ یہاں ''برق'' سے مراد اللہ تعالیٰ کے انوارِ قدسیہ کی برق اور چمک ہے جو اہلِ دل کو نصیب ہوتی ہے۔ اس بحث میں علامہ آلوسی نے شیخ شبلی اور بعض دیگر صوفیہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد امام ربانی کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''امام ربانی قدس سرہ نے اپنے مکتوبات میں ذکر کیا ہے کہ ''تجلی ذاتی'' طریقہ نقشبندی کے کاملین کے دائمی ہوتی ہے ''برقی'' (یعنی ایک آن یا ایک لحظہ) کے لیے نہیں ہوتی اور اس حوالے سے طویل گفتگو کی ہے اور بڑے بڑے صوفیہ جیسے شیخ محی الدین قدس سرہ کے اقوال (یہ حضرت تجلی ذاتی کے لمحاتی یا مختصر کے لیے ہونے کے قائل ہیں) کی مخالفت کی ہے اور حق یہ ہے کہ امام ربانی نے جس تجلی ذاتی کا ذکر کیا ہے یہ وہ تجلی نہیں جس کا ذکر دیگر صوفیہ نے کیا ہے کہ وہ لمحاتی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہر اس شخص پر واضح ہے جس نے امام ربانی اور دیگر صوفیہ کے کلام کا بغور مطالعہ کیا ہے۔''(۳)

علامہ آلوسی نے اس عبارت میں جس مسئلے کا ذکر کیا ہے شیخ مجدد نے اپنے مکتوبات شریف میں متعدد مقامات پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور تجلی ذاتی کے دوام کو طریقہ نقشبندیہ کے خواص میں سے شمار کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''اکثر مشائخ رحمتہ اللہ کے نزدیک یہ تجلی برقی ہے یعنی حضرت ذات جل سلطانہ سے تمام حجابات کا اٹھ جانا، بجلی کی طرح تھوڑے سے وقت کے لیے ہوتا ہے پھر اسماء وصفات کے پردے لٹکائے جاتے ہیں اور انوارِ ذات کی شعاعیں پھر پوشیدہ ہوجاتی ہیں، تو حضور ذاتی بجلی کی مانند ایک لمحے کے لیے ہوتا ہے اور اکثر اوقات غیبت ذاتی ہی رہتی ہے اور ان مشائخ

نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے نزدیک حضور ذاتی دائمی کا اعتبار ہے۔ زائل ہونے اور غیبت سے بدل جانے والے حضور کا کوئی اعتبار نہیں لہٰذا ان اکابر کا کمال تمام اکابر سے بڑھ کر ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے فوقیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ ان عبارات میں واضح ہو چکا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے اوپر ہے اور نسبت سے ان کی مراد ذاتی دائمی ہے۔''(۴)

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''ان کا (مشائخ نقشبندیہ) کا حال دائمی ہے اور ان کا وقت استمراری وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کو برق خاطف کی طرح ہے ان کے لیے دائمی ہے اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو ان بزرگوں کے نزدیک بے اعتبار ہے بلکہ ان کا معاملہ حضور و تجلی سے برتر ہے۔''(۵)

اسی قضیے کو قدرے تفصیل اور بسط کے ساتھ شیخ نے ایک اور جگہ رقم فرمایا ہے:

''اور تجلی ذاتی کے لیے کیا لکھوں اور کیا لکھا جا سکتا ہے کہ وہ ایک وجدانی چیز ہے جس نے چاہا اسی نے معلوم کیا اور جس نے نہ چکھا اس نے نہ جانا۔

قلم اینجار سید سر بشکست

(قلم اس جگہ پہنچا تو اس کا سر ٹوٹ گیا)

صرف اس قدر ظاہر کرتا ہوں کہ تجلی ذات اس عارف کے حق میں جس کی فنا اوپر ذکر ہوتی ہے دائمی ہے اور وہ جو دوسروں کے لیے بجلی کی طرح ہے وہ اس کے لیے ہمیشہ ہے بلکہ تجلی برقی اصل میں تجلی ذات نہیں ہے اگرچہ بعض نے اس کو تجلی ذات کہا ہے لیکن وہ شیون ذات میں سے کسی شان کی تجلی ہے جو بڑی تیزی سے چھپ جاتی ہے۔ جس جگہ بھی تجلی ذات ہے اور وہ اعتبارات وشیون کے ملاحظہ کے بغیر ہے تو اس کو دوام لازم ہے اور پوشیدہ ہونا اس جگہ متصور نہیں ہے۔ تجلیات میں رنگارنگی صفات اور شیون کا پتا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک وہ ہے جو تمام تلونیات سے منزہ ومبرا ہے اور پوشیدہ ہونے کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ جس پر چاہے کرے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ والسلام (۶)

ایک اور جگہ جہاں فاضل مفسر امام ربانی کے مکتوبات کا حوالہ دیا ہے وہ سورۃ کہف کی آیت نمبر ۶۵ ہے جس میں فرمانِ خداوندی ہے:

''تو پایا انہوں (موسیٰ اور ان کے ساتھی) ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو جسے ہم

نے اپنی جناب سے رحمت عطا فرمائی تھی اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے خاص علم''

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی نے کہا ہے''الہام'' کے بارے میں بحث فرمائی ہے اور اس کی حجت یا عدم حجت کے بارے میں مختلف جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہلِ علم کی گرانقدر آراء ذکر کی ہیں جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ علامہ نے ان حضرات کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا الہام حجت شرعی نہیں ہے اور نہ اس پر عمل پیرا ہونا لازم و ضروری ہے۔ اسی نکتہ کی تائید میں انہوں نے شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ علامہ مذکور شیخ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں متعدد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے کہ الہام کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کرتا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اور حقیقت اور ظاہر و باطن میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔''

مکتوبات میں آپ قدس سرہ کا کلام اس حوالے سے بھرپور اور واضح ہے۔ جلد اول کے تینتالیسویں مکتوب میں فرماتے ہیں:

''کچھ لوگ الحاد اور بے دینی کی طرف مائل ہوئے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ مقصود اصلی شریعت کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔''

ہم اس بُرے عقیدے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ طریقت اور شریعت بعینہ ایک ہی چیز ہیں ان دونوں کے درمیان ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے۔ جو چیز شریعت کے خلاف ہے وہ مردود ہے اور ہر وہ حقیقت جسے شریعت رد کرتی ہے وہ بے دینی ہے۔

اسی طرح جلد اول کے مکتوب نمبر ۱۴ میں شریعت، طریقت اور حقیقت کی بحث میں آپ قدس سرہ فرماتے ہیں:

''زبان کا جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کے خیال کو بھی نکال دینا اگر تکلف اور مشقت کے ساتھ ہو تو یہ طریقت ہے اور اگر یہ مرتبہ آسانی اور سہولت سے میسر ہو بغیر کسی تکلف کے وہ حقیقت ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے وہ باطن جو طریقت و حقیقت سے عبارت ہے وہ اس ظاہر کی تکمیل کرتا ہے جو شریعت کہلاتا ہے لہٰذا طریقت اور حقیقت کے مالکوں کے لیے اس سفر میں اگر ایسے امور ظاہر ہوں جو شریعت کے مخالف اور اس کے منافی ہوں تو غلبہ حال اور وقتی بے ہوشی کی بنا پر ہوں گے۔ جب سالکین اس مقام سے آگے بڑھ جائیں گے اور

حالت ہوش میں آئیں گے تو یہ منافات مکمل طور پر ختم ہو جائے گی اور شریعت سے متصادم اور متضاد دکھائی دینے والی تمام چیزیں گرد وغبار کے ذروں کی مانند معدوم ہو جائیں گی۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے علوم سے نفع عطا فرمائیں) نے جلد اول کے چھتیسویں مکتوب میں ارشاد فرمایا:

''شریعت کے ۳ اجزاء ہیں علم، عمل اور اخلاص جب تک یہ تینوں مکمل نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت متحقق ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے اور یہ نعمت دنیا اور آخرت کی تمام خوش بختیوں سے بڑھ کر ہے (اور اللہ کی رضا ہر چیز سے بڑھ کر ہے)التوبہ:۲۷۔سو شریعت تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور شریعت سے آگے کوئی مقصود نہیں ہے۔سو وہ طریقت وحقیقت جو صوفیہ کا امتیاز ہے دونوں شریعت کی خادم ہیں جن سے شریعت کے تیسرے جز اخلاص کی تکمیل ہوتی ہے سو دونوں (طریقت وحقیقت) سے مقصود شریعت کی تکمیل ہی ہے نہ کہ کچھ اور۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ جلد کے مکتوب نمبر ۲۹ میں مکمل تحقیق کے بعد فرمایا:

''سو ثابت ہوا کہ قربِ الٰہی جل شانہ کے درجات کے حصول کا ذریعہ، چاہے وہ قرب نبوت ہو یا قرب ولایت، وہ شریعت کے راستے میں منحصر ہے۔جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلایا اور اسی کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔اس آیت کریمہ میں:''فرما دیجیے یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف، واضح دلیل پر ہوں میں اور (وہ بھی) جو میری پیروی کرتے ہیں۔سورہ یوسف:(۱۰۸)''اسی طرح یہ آیت''فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔(آل عمران:۳۱)'' بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

اس کے سوا ہر راستہ گمراہی ہے اور مطلوبِ حقیقی سے انحراف ہے اور ہر وہ رستہ جسے شریعت رد کرتی ہے وہ بے دینی ہے۔اس کی دلیل یہ آیت ہے''اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے'' (الانعام:۱۵۳) اور یہ آیت''سو حق کے بعد تو نری گمراہی ہے''(یونس:۳۲) نیز یہ آیت ''اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین ڈھونڈتا ہے تو وہ ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔'' (آل عمران:۸۵) اور یہ حدیث کہ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لکیر کھینچ کر صحابہ کو دکھائی (۷)'' اور حدیث''ہر بدعت گمراہی ہے''(۸) اور دیگر کئی احادیث اس معنی کی تائید کرتی ہیں۔(۹)''

شیخ مجدد کے محولہ بالا اقوال اور دیگر مکتوبات اس وقت کے جعلی صوفیوں اور روحانیت وتصوف کے نام پر اپنی ناپاک خواہشات کی دکان سجانے والوں کے خلاف تب بھی شمشیر بے نیام تھے اور آج بھی مذہب کے نام پر سیاست چمکانے والوں یا دین اور روحانیت کے لبادے میں چھپے ہوئے بھیڑیوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہے۔

ایک اور مقام جہاں علامہ آلوسی نے شیخ کے مکتوبات کا حوالہ دیا ہے وہ سورہ نمل کی آیت نمبر ۶۵ ہے جس میں ارشادِ ربانی ہے:

"آپ فرمایئے (خود بخود) نہیں جان سکتے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے۔۔۔الآیت"

اس آیت کی تفسیر میں فاضل مفسر نے علمِ غیب کے حوالے سے بڑی تفصیلی بحث سپردِ قلم کی ہے جو اپنی قوتِ تاثیر اور شوکتِ علمی کی بنا پر لائقِ مطالعہ ہے مگر طوالت کے خدشے کے پیشِ نظر ہم اسے یہاں ذکر کرنے سے قاصر ہیں البتہ شیخ مجدد کا جو حوالہ مفسر نے پیش کیا ہے وہ ہم نقل کر رہے ہیں:

"میں نے امام ربانی قدس سرہ النورانی سے سنا ہے کہ انہوں نے اس شخص پر شدید غیظ و غضب کا اظہار فرمایا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ غیب نہیں جانتا اور تاویل یہ کرتا ہے کہ غیب کا معنی پوشیدگی ہے اور حق تعالیٰ سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ ایسا کہنا نصوصِ قرآنی کے خلاف اور اس سے متصادم ہے۔"(۱۰)

فاضل مفسر نے جس مکتوب کا حوالہ دیا ہے وہ ملاحسن کشمیری کی طرف ان کے اس سوال کے جواب میں تحریر کیا گیا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔ شیخ مجدد اس کے جواب میں یوں گویا ہیں:

"مخدومِ گرامی! فقیر اس طرح کی باتیں سننے کی تاب نہیں رکھتا۔ میری رگِ فاروقی بے اختیار حرکت میں آتی ہے اور اس طرح کی باتوں کی تاویل وتوجیہہ کی فرصت نہیں دیتی چاہے ایسی باتوں کا قائل شیخ عبدالکبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی، محمد عربی ﷺ کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی اور صدرالدین قونوی یا عبدالرزاق کاشی کا کلام ہمیں نص کے ساتھ کام ہے فص کے ساتھ نہیں۔ فتوحاتِ مدنیہ نے ہمیں فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کلامِ مجید میں علمِ غیب کے ساتھ اپنی صفت کرتا ہے اور اپنے آپ کو عالمِ الغیب فرماتا ہے۔ اس ذات سبحانہ سے علم غیب کی نفی کرنا بہت قبیح اور بُرا ہے اور فی الحقیقت حق

سبحانہ وتعالیٰ کی تکذیب ہے۔غیب کا کوئی اور معنی کرنا بھی اسے اس برائی سے نہیں نکال سکتا:

کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم (الکہف: ۵) ان کے منہ سے بہت ناگوار کلمہ نکل رہا ہے(۱۱)

مذکورہ بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کے مکتوبات صرف پاک وہند ہی نہیں بلکہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی اہلِ علم کی توجہ کا مرکز رہے ہیں نیز تیرھویں صدی ہجری کے مایہ ناز مفسر علامہ سید محمود آلوسی جو خود دنیائے علم وتحقیق میں ایک بلند مقام کے حامل ہیں نے اپنی تصنیفِ جلیل تفسیر روح المعانی میں متعدد مقامات پر مختلف ابحاث کے ضمن میں شیخ مجدد کے مکتوبات اور اقوال کو بطور حجت اور قولِ فیصل نقل کیا ہے جو ان مکتوبات کی علمی ثقاہت اور علمی وجاہت کا آئینہ دار ہے۔

♦♦♦

حوالہ جات

۱۔ محمود بن عبداللہ آلوسی، روح المعانی، ج ۸،ص ۱۰۱

۲۔ محمد سعید احمد نقشبندی، اُردو ترجمہ مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، حصہ اول، اردو بازار دہلی: ناشر حفیظ بک ڈپو، ۱۹۷۱ء، مکتوب: ۱۳۱،ص ۱۱۳

۳۔ تفسیر روح المعانی، ج ۹،ص ۲۴۷

۴۔ دفترِ اول، مکتوب: ۲۱،ص ۸۷

۵۔ ایضاً، مکتوب ۲۲۱،ص ۵۱۸

۶۔ دفتر سوم، مکتوب: ۵۷،ص ۱۴۶۰

۷۔ مکمل حدیث یوں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک سیدھی لکیر کھینچی پھر اس کے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں، پھر فرمایا یہ (سیدھی لکیر) اللہ کا راستہ ہے اور باقی تمام لکیروں میں سے ہر لکیر پر ایک شیطان ہے جو اس لکیر کی طرف بلاتا ہے اور پھر یہ آیت پڑھی ''اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو اس کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر مت چلو ورنہ تم سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے'' (الانعام: ۱۵۳)

امام حاکم نے اس حدیث کو بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ حدیث نمبر ۳۲۴۱، ج ۲،ص ۳۴۸

المستدرک علی الصحیحین: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء

۸۔ مستدرک حاکم، حدیث: ۳۲۹، ج ۱ص ۱۷۴

۹۔ روح المعانی، ج ۱۱،ص ۷۳۔۷۴

۱۰۔ ایضاً، ج ۱۵،ص ۱۹

۱۱۔ مکتوب: ۱۰۰، دفتر اول، حصہ دوم،ص ۱۴۶، اُردو ترجمہ مکتوبات

♦♦♦

سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا اشاعتِ اسلام میں کردار

ڈاکٹر عبدالرشید قادری ☆

Abstract:
Abdul Qadir Jilani was born on 11 Rabi-ul-Awal, 470 Hijri in Naif District of Gilan(Persia). He spent his early life in Naif and then migrated to Baghdad and got education in Hunbly Law. He spend twenty five years as a reclusive wander in the desert reigan of Iraq. He was a great preacher of Hadith and Tafsir. He was also a convincing preacher owed turned to numerous number of Jew and Christians to muslim. As a true follower of Muhammad(S.A.W) he used to serve humanity durinbg day and most part worshiped world. He passed way out the age of 89 on 8th Rabi-ul-Awal and burried in Baghdad.

Key Words:
Abdul Qadir, Jilani, Gilan, Naif, Migrated, Baghdad, Desert, Hunbly Law, Tsfsir.

سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے قبل دنیا کے حالات:

جب عصیاں کے ہولناک بادلوں اور انسانوں کی جہالت اور نفسانیت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھا جائیں اور جوہر انسانیت معدوم ہو جائے ،خودغرضی اور نفس پرستی ہر شخص کا محورِ ذات بن جائے تو ایسے طوفان بے تمیزی کو روکنے اور مخلوقِ اللہ کو پستی کے گڑھوں سے نکال کر عروج کی منزلوں پر پہنچانے کے لئے خالقِ حقیقی

☆صدر شعبۂ اسلامیات،منہاج یونیورسٹی، لاہور

کی طرف سے کوئی نہ کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تھا لیکن فخرِ موجودات، سرور کائنات، سرتاج الانبیاء، احمدِ مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا قدرتِ الہیٰ کی طرف سے بند ہو چکا ہے اس لئے ایسے عہدِ ظلمات میں کسی مجددِ وقت، غوث الاقطاب، عارفِ کامل، رہبر اکمل کا ظہور پذیر ہونا ضروری ہے جو اشرف المخلوقات میں فرائضِ الٰہی وحقوقِ انسانی کی تلقین واشاعت کرتے ہوئے دنیا میں بسنے والوں کو ظلم وعصیاں کے اس طوفان میں نیست ونابود ہونے سے بچالے۔

تاریخ گواہ ہے کہ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے قبل دنیائے اسلام پر زوال وانحصاطِ عمومی کا دور شروع ہو چکا تھا بظاہر اسلامی سلطنتوں کے اقتدار کا سلسلہ اندلس سے لے کر ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا مگر اندورنی طور پر حالات نہایت خراب وناگفتہ بہ تھے۔ دنیائے اسلام کی مرکزی طاقت یعنی خلافتِ بغداد بہت کمزور ہو چکی تھی اور ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ مصر میں سلطنتِ باطنیہ عبیدیہ جسے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تاریخ الخلفاء'' میں ''دولتِ خبیثہ'' کے نام سے پکارا ہے الحاد اور بے دینی کے نظریات پھیلا رہی تھی۔ اس کے اربابِ اختیار نے اسلامی اقدار کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ (۱)

سیاسی ومعاشرتی لحاظ سے ہر جگہ انتشار تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد جوں جوں زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فاصلہ بڑھتا گیا دنیائے اسلام کی رہنمائی کے منصبِ جلیل پر وہ لوگ حاوی ہوتے گئے جن کا دینی، روحانی اور اخلاقی معیار اتنا بلند نہ تھا جو ملت اسلامیہ کے شایانِ شان ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ''دین وسیاست میں عملی تفریق'' ہوگئی کیونکہ خلفاء علم اور دین میں ایسا مرتبہ نہیں رکھتے تھے کہ انہیں علماء اور اہلِ دین کی ضرورت نہ پڑے انہوں نے مشیر کے طور پر یا جب ان کے مصالح کا تقاضا ہوا، اور اہلِ دین سے مدد لی۔ جتنی بات چاہی اور جب چاہی قبول کی۔ اس طرح سیاست دین کی نگرانی سے (نظری اور اعتقادی طور پر تو نہیں لیکن) عملی طور پر علیحدہ ہوگئی۔ (۲)

امام عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے کے علماء کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ہر وقت شیعہ، سنّی، حنبلی اور اشعری مناظرات میں مصروف رہتے تھے۔ گالی گلوچ اور کشت وخون تک نوبت پہنچنا ایک معمولی بات تھی اور کچھ نہ ہو تو صدر نشینی پر ہی جھگڑا کھڑا ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسٹر گبن اور دیگر یوروپین مؤرخین نے اس زمانے کو دنیائے اسلام کا ایک تاریک دور شمار کیا ہے۔ معاشرے کا یہی وہ سیاسی اور روحانی اِدبار تھا جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ خطرناک قرار دیا تھا۔ (۳)

سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سیّدنا عبداللہ الصومعی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے تھے۔ حضرت عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ

جیلان کے مشائخ ورؤسا میں سے ایک نہایت پرہیزگار وصاحبِ فضل وکمال شخص تھے آپ کی کرامتیں لوگوں میں مشہور ومعروف تھیں۔آپ کے والدمحترم حضرت سیّد ابوصالح موسیٰ جنگی دوست نہایت پاکباز ونیک طینت اور ولی کامل تھے۔آپ کا نام موسیٰ،کنیت ابوصالح اور جنگی دوست آپ کا لقب تھا(جنگ وجہاد سے انس رکھنے کی وجہ سے ''جنگی دوست'' مشہور تھے)[۴]

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃاللہ علیہ کی پرورش اور تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں آپ کے والدِمحترم کا تذکرہ نہیں ملتا۔معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال آپ رحمۃاللہ علیہ کی کم سنی میں ہوگیا تھا۔[۵] آپ کی والدہ ماجدہ ام الخیر سیّدہ فاطمہ رحمۃاللہ علیہ نہایت پاکباز،نیک بخت صالحہ اور ولیہ تھیں جب عبدالقادر جیلانی رحمۃاللہ علیہ نے تعلیم کے لئے بغداد جانے کی اجازت طلب فرمائی تو آپ کی جدائی کے خیال سے وہ رو پڑیں پھر اٹھیں اور اسّی دینار باہر لائیں اور فرمایا یہ تیرے باپ کی میراث ہیں۔چالیس دینار تو تیرے بھائی کے لئے چھوڑے اور چالیس دینار کو تیری بغل کے نیچے جامہ میں سی دیا ہے۔پھر مجھ کو سفر کی اجازت دی۔مجھ سے عہد لیا کہ ہر حال میں سچ بولنا مجھے رخصت کرنے دروازہ تک آئیں اور کہا،اے فرزند!اللہ کے لئے تجھے خود سے جدا کرتی ہوں اور اب قیامت تک تم کو میں نہ دیکھوں گی۔[۶]

آپ رحمۃاللہ علیہ کی ولادت باسعادت کی بشارت بے شمار مشائخ نے دی آپ کا سالِ ولادت اکثر سوانح نگاروں کے مطابق یکم رمضان المبارک ۴۷۰ھ(۱۰۷۷ء) بتایا ہے اور ایران کے شمال مغربی صوبہ گیلان جسے دیلم بھی کہا جاتا ہے وہاں آپ کی ولادت ہوئی آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی عبدالقادر اور ابومحمد آپ کی کنیت ہے۔وہ مسلمہ اور مشہورِ زمانہ القابات جو صرف آپ ہی کی ذات سے مخصوص ہیں۔غوثِ اعظم،غوثِ پاک،پیرانِ پیر،پیر دستگیر،محبوبِ سبحانی،شاہِ جیلاں،غوثِ صمدانی،سرکارِ بغداد،شہنشاہِ بغداد،میراں محی الدین[۷]

آپ کا لقب ''محی الدین'' لوگوں نے نہیں بلکہ خود حقیقتِ اسلام نے آپ کو عطا فرمایا۔آپ رحمۃاللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنے مشہور خلائق لقب ''محی الدین'' کے متعلق یہ وضاحت فرمائی کہ میں ایک جمعہ کے روز میں سفر سے پابرہنہ بغداد کی طرف واپس آرہا تھا کہ ایک نہایت ہی لاغر نحیف پر میرا گزر ہوا۔اس نے کہا:''السلام علیکم یاعبدالقادر'' میں نے سلام کا جواب دیا۔کہنے لگا ''مجھے اٹھاؤ''۔میں نے اٹھا کر بٹھا دیا تو اس کا چہرہ بارونق اور جسم موٹا تازہ ہوگیا۔میں حیران ہوا تو کہنے لگا ''تعجب کی بات نہیں،میں آپ کے جدّ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہوں جو مردہ ہو رہا تھا،اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے مجھے نئی زندگی عطا فرمائی ہے۔آپ محی الدین ہیں۔''[۸]

آپ ولی کامل اور سادات حسینیہ میں بڑی عظمت کے مالک ہیں۔ بلکہ آپ کا نسب مبارک چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے ملتا ہے آپ کے نسب کے سلسلہ میں علامہ یونس الشیخ ابراہیم السامرائی مستند کتبِ سیرت وتاریخ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اسمہ ولقبہ ھو السیّد السند القطب الاوحد و شیخ الاسلام زعیم العلماء وسلطان الاولیاء قطب بغداد والباز الاشھب سیدی محی الدین عبدالقادر الکیلانی الحسنی اباًو الحسینی اُمّاً۔"

۱۔ نَسَبُہ مِن جِھَۃِ اَبِیہِ : ھو عبدالقادر بن ابی صالح موسیٰ بن عبداللہ بن یحییٰ الذاھدبن محمّد بن داودبن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن حسن المثنّٰی بن الحسن بن علی بن ابی طالب۔

۲۔ نَسَبُہ مِن جِھَۃِ اُمِّہِ

والدتُہ الکریمۃ ھی اُمّ الجبّار فاطمۃ بنت السّید عبد اللہ الصّومعی الذّاھد بن الامام ابی جمال الدّین السّیّد محمد بن الامام السّیّد محمود بن الامام ابی العطاء عبد اللہ بن الامام کمال عیسیٰ بن الامام السّیّد ابی علاء الدّین محمّد الجواد بن علی الرّضا بن الامام موسیٰ الکاظم بن الامام جعفر الصّادق بن محمد الباقر۔

۳۔ اِتّصَال نَسَبِہ بِسَیّدِنا اَبِی بَکر الصِّدِّیق

ویتّصل نسب السّیّد عبدالقادر بسّیّدنا ابی بکر الصّدّیق و ذلک انّ والدۃ .....

آپ کا نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یوں ملتا ہے کہ آپ کے والد ماجد کی والدہ جن کا نام امّ سلمہ ہے، وہ امام محمد بن امام طلحہ بن امام عبداللہ بن امام عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصّدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔

۴۔ اِتّصَال نَسَبِہ بِسَیّدِنا عُثمَان ابنِ عَفّان

وییتصل نسب الشیخ عبدالقادر بسّیّد نا امیر المؤ منین عثمان بن عفّان و ذلک ان عبداللہ المحض....

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے آپ کا نسب یوں ملتا ہے، حضرت عبداللہ المحض جو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نویں پشت میں جدّ ہیں۔ آپ محض کے لقب سے مشہور ہیں، کیونکہ محض کا لفظ خالص چیز پر بولا جاتا ہے اور عبداللہ بھی ماں باپ دونوں کی طرف سے خالص ہیں اس لئے کہ آپ کے والد ماجد حسن بن مثّنی بن سیّدنا حسن بن سیّدنا علی بن ابی طالب ہیں اور آپ (عبداللہ المحض) کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما، یہ دونوں حضرات غلامی اور کسی کے آزاد کرنے کی نسبت سے خالص ہیں، جو موالی کے معنی ہیں اور یہی حضرت فاطمہ سیّدنا عبداللہ کے نکاح میں آئیں جو سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔

۵۔اِتّصَال نَسَبِہٖ بِسَیّدِنا عُمَر بن الخَطّاب

ویتّصل نسب الشیخ عبدالقادر بسیّد نا امیر المؤمنین عمر بن الخطّاب و ذلک انّ عبداللہ امطرف المتقدم ذکرہٗ....

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے آپ کا نسب یوں ملتا ہے: عبداللہ جن کا ذکر اُوپر گزرا، اُن کی والدہ کا نام سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ہے، وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں اور جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور جناب عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ سے بھی ملتا ہے۔ (۹)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے کب معلوم کیا کہ آپ ولی اللہ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے شہر میں بارہ برس کا تھا اور پڑھنے کے لئے مکتب جایا کرتا تھا تو میں اپنے اردگرد فرشتوں کو چلتے دیکھتا تھا اور جب میں مکتب میں پہنچتا تو انہیں کہتے سنتا کہ ولی اللہ کو بیٹھنے دو۔ ایک روز میرے پاس سے ایک شخص گزرا جسے میں مطلق نہیں جانتا تھا اس نے فرشتوں کو جب یہ کہتے سنا کہ کشادہ ہوجاؤ اور ولی اللہ کے بیٹھنے کے لئے جگہ کردو تو اس شخص نے فرشتوں سے پوچھا کہ یہ کس کا لڑکا ہے؟ ایک فرشتہ نے ان سے کہا کہ یہ ایک شریف (سید) گھرانے کا لڑکا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ یہ عظیم الشان شخص ہوگا پھر چالیس سال کے بعد میں نے اس شخص کو پہچانا کہ ابدالِ وقت میں سے تھے۔ (۱۰)

اٹھارہ سال کی عمر میں شیخ (۴۸۸ھ/ ۱۰۹۵ء)، تحصیل علم کے لئے بغداد تشریف لائے، جو اس وقت مدینۃ العلوم ہونے کے ساتھ اُس دور کے مشائخ کبار اور عالمِ اسلام کے علمائے عظام کا مرکز تھا۔ یہی وہ سال ہے جس سال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تلاشِ حق وحصولِ یقین کے لئے بغداد کو خیر باد کہا تھا۔ (۱۱)

آپ نے اس وقت کے مشائخ عظام، ائمہ، بزرگان دین اور محدثین کی خدمت کا قصد فرمایا۔ پہلے

قرآن مجید کو روایت ودرایت اور تجوید وقرأت کے اسرار موز کے ساتھ حاصل کیا۔ اس زمانے کے بڑے بڑے محدثین اور اہل فضل وکمال مستند علمائے کرام سے حدیث کی سماع فرما کر علوم کی تکمیل فرمائی۔حتیٰ کہ تمام اصولی فروعی اور اختلافی علوم میں علماء بغداد سے ہی نہیں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے علماء سے سبقت لے گئے اور آپ کو تمام علماء دین پر فوقیت حاصل ہوگئی اور سب نے آپ کو اپنا امام اور رہبر تسلیم کیا۔ (۱۲)

آپ کے اساتذہ میں سے ممتاز شخصیات کے اسمائے گرامی ہیں: ابوزکریا رحمۃاللہ علیہ یحییٰ بن علی بن الخطیب التبریزی، جو نحو، لغت اور ادب کے امام تھے، نظامیہ (بغداد) میں شعبۂ ادب کی تدریس اور کتب خانے کی نگرانی ان کے سپرد کی گئی تھی، دین اور ادب میں کئی تالیفات ان کی یادگار ہیں۔ التبریزی سے شیخ رحمۃاللہ علیہ نے عربی زبان اور ادب کی تحصیل کی، جس کے نتیجے میں شیخ رحمۃاللہ علیہ میں عربی زبان پر قدرت اور فصاحت وبلاغت کے نہایت اونچے معیار کے ساتھ شعر اور خطابت کا جوھر پیدا ہوا۔ ابوالوفاء علی بن عقیل البغدادی المظفّری، معروف حنبلی فقیہ، جو فقہ میں الارشاد اور الفصول کے علاوہ متعدد کتب کے مصنف بھی تھے، شیخ رحمۃاللہ علیہ نے ان سے فقہ کا درس لیا۔ ابوبکر احمد بن المظفر ابو غالب محمد بن الحسن الباقلانی اور دیگر متعدد شیوخ سے علمِ حدیث پڑھا۔ الشیخ حمّاد الدباس رحمۃاللہ علیہ، شیخ عبدالقادر رحمۃاللہ علیہ کے شیخ صحبت میں سے تھے۔ شیخ حماد رحمۃاللہ علیہ نے شیخ عبدالقادر رحمۃاللہ علیہ کے بارے میں مقتدائے اولیاء ہونے کی پیش گوئی فرمائی تھی القاضی ابوسعید (مبارک بن علی) المخرّمی رحمۃاللہ علیہ حنبلی، حنبلی فقیہ اور معروف صوفی تھے، شیخ رحمۃاللہ علیہ نے ان سے فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم پائی۔ دینیہ میں شیخ نے یکساں طور پر تبحر حاصل کیا تھا، بالخصوص علوم دینیہ میں وہ طبقۂ عالیہ کے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ۵۲۸ھ میں آپ کے معلم اور مرشد قاضی ابوسعید المخرّمی کے مدرسہ میں وعظ وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ رحمۃاللہ علیہ نے تیرہ مختلف علوم وفنون کی تدریس کا کام سنبھالا۔ اس سلسلے میں تفسیر، حدیث، فقہ حنبلی، فقہ مع اختلاف المذاھب، اصول فقہ اور نحو کے اسباق خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ نمازِ ظہر کے بعد شیخ کے ہاں قرآن مجید کی تجوید وقرأت کا درس ہوتا اور صبح وشام تفسیر وحدیث اور دیگر علوم پڑھنے والی جماعتیں بیٹھتیں۔ دارالافتاء کا کام بھی ان کے ذمے تھا اور اقطار اسلامی سے کثیر استفتاء انہیں وصول ہوتے تھے۔ آپ رحمۃاللہ علیہ امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے مذاھب کے مطابق فتویٰ لکھتے۔ (۱۳)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃاللہ علیہ بے نظیر محدث اور فقید المثال فقیہ تھے عمر البزاز بیان کرتے ہیں کہ عراق کے سوا دیگر بلاد سے بھی آپ کے پاس فتویٰ آیا کرتے تھے جب آپ کے پاس کوئی فتویٰ آتا تو آپ کو اس میں غور وفکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی تھی۔ کسی فتویٰ کو بھی آپ اپنے پاس نہ رکھتے تھے بلکہ اسے پڑھ کر اسی

وقت اسکے ذیل میں اس کا جواب تحریر فرما دیتے تھے آپ کے فتوے علمائے عراق پر بھی پیش ہوتے تھے تو ان کو آپ کے سرعتِ جواب پر نہایت تعجب ہوتا جو کوئی بھی آپ کے پاس علومِ دینیہ میں سے کوئی سا بھی علم حاصل کرنے آتا تو وہ آپ کے علم میں آپ کا ہمیشہ محتاج اور دوسروں پر فائق رہتا۔ (۱۴)

آپ کی مجلس وعظ میں شائقین کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ مدرسے میں توسیع کرنی پڑی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں صدہا اہل علم، قلم اور کاغذ لے کر بیٹھتے۔ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ مدرسہ میں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی، عامۃ الناس کے رجوع کا یہ عالم تھا کہ گویا سارا بغداد شیخ کے وعظ پر امنڈ آتا اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایسی وجاہت عطا فرمائی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہیں۔ شیخ موفق الدین ابن قدامہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی آپ سے بڑھ کر دین کی وجہ سے تعظیم ہوتے نہیں دیکھی، بادشاہ اور وزراء آپ کی مجالس میں نیاز مندانہ حاضر ہوتے اور ادب سے بیٹھ جاتے، علماء اور فقہاء کا کچھ شمار نہیں تھا۔ (۱۵)

آپ کی تالیفات کی تعداد پندرہ کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے جن میں ''الغنیۃ لطالبی طریق الحق ''(غنیۃ الطالبین) کے نام سے معروف آپ کے افکار پر مشتمل تالیف ہے۔ یہ کتاب مختلف ابواب وفصول پر مشتمل ہے جن میں ارکان شریعت کی تفصیل ومتعلقہ مسائل، انفرادی اور مجلسی زندگی کے بارے میں شرعی آداب، امر بالمعروف، ایمان کی حقیقت، بدعت وضلالت، کبائر وصغائر سے توبہ، سال کے مختلف ایّام وشہور میں آنے والی شرعی عبادات وتقریبات کے لئے ہدایات درج کی گئی ہیں۔ کتاب کی آخری فصول میں طریقت کے مباحث لئے گئے ہیں جن میں مبتدی مریدین سے لے کر شیوخِ طریقت تک کے لئے آداب بتائے ہیں۔ انہیں فصول میں صحبت، فقر، مجاہدہ، توکل، شکر، صبر، رضا اور صدق کے مباحث بھی ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ ''الفتح الربانی (شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے باسٹھ مواعظ مشتمل ہیں)، الفیوضات الربانیہ فی الاوراد القادریہ، فتوح الغیب، بشائر الخیرات، سر الاسرار اور دیگر نابغۂ روزگار تالیفات آپ سے منسوب ہیں۔ (۱۶) اس عظیم تالیف کے مندرجات میں شریعت وطریقت کا اصل لب لباب بیان کرتے ہوئے مسلمانوں میں ایمان وعمل کے احیاء کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ رشید رضا نے اپنے مضمون میں بتایا ہے کہ مفتی طرابلس (شام) کے کتاب خانے میں قرآن مجید کی ایک عمدہ تفسیر کا قلمی نسخہ موجود ہے کہا جاتا ہے کہ یہ تفسیر بھی شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ (۱۷)

تدریس، افتاء خانقاہی تربیت اور تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ عامۃ الناس کی اصلاح کے لئے شیخ نے تبلیغ وموعظت کے کام کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ شیخ کے خطبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہایت بلند پایہ خطیب تھے۔ عام وعظ کا آغاز انہوں نے ۵۲۱ھ میں کیا جب بغداد میں ابو الفتوح اسفرائینی ایسے خطبات

دیئے جن میں بے بنیاد روایات کی کثرت اور ناپسندیدہ مضامین کی بھر مار ہوتی ۔اس سے عوام وخواص میں بے چینی پیدا ہوئی ۔ دوسری طرف جب شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا سلسلہ شروع ہوا تو لوگوں نے ذوق وشوق سے شیخ کی مجالس کی طرف رجوع کیا اور ابوالفتوح کا مسئلہ خود بخود ختم ہو گیا۔(۱۸)

آپ کی مجالس وعظ میں اس کثرت سے لوگ آنے لگے کہ مدرسہ کی جگہ ان کے لئے کافی نہ ہوتی لوگ باہر فصیل کے پاس سڑک پر بیٹھ جاتے اور ہر روز ان کی آمد پہلے سے زیادہ ہوتی جاتی تو قرب وجوار کے مکانات شامل کر کے مدرسہ کو وسیع کر دیا گیا ۵۲۸ھ میں یہ مدرسہ ایک وسیع عمارت کی صورت میں تعمیر ہو گیا اور آپ ہی کر طرف منسوب کیا گیا آپ نے نہایت جدو جہد واجتہاد کے ساتھ درس وافتاء ووعظ کے کام کو آگے بڑھایا دور دراز سے لوگ آپ سے شرف ملاقات حاصل کرنے کے لئے آنے لگے اور نذرانے گزارنے لگے۔ چاروں طرف سے لوگ آ کر آپ کے پاس جمع ہو گئے اور علما وصلحا کی ایک بڑی جماعت آپ کے پاس تیار ہو گئی اور آپ سے علم حاصل کر کے پھر وہ اپنے شہروں کی طرف واپس چلے گئے اور تمام عراق میں آپ کے مرید پھیل گئے۔(۱۹)

آپ جمعہ کی صبح کو اپنے جامعہ میں وعظ فرماتے ،منگل کی شام خانقاہ میں اور اتوار کے دن علماء وفقہاء کے مجمع میں وعظ ہوتا سامعین کی تعداد میں غیر معمولی اضافے کی وجہ سے آپ کو شہر کی آبادی سے باہر نکلنا پڑا اور ایک وسیع وعریض میدان اس اجتماع کے لئے منتخب کیا گیا۔ اکثر مؤرخین نے سامعین کی تعداد ستّر ہزار سے متجاوز بتائی ہے، جن میں اکابر مشائخِ عراق ،علمائے کرام ،مفتیان عظام کے علاوہ ملائکہ،جنّات اور رجال الغیب بکثرت موجود ہوتے تھے، دور دراز سے آنے والے،سواریوں پر میدان کے ارد گرد فصیل کی طرح دکھائی دیتے اور آپ کے موعظِ حسنہ تحریر کرنے کے لئے چار سو کاتب بیک وقت مجلس میں موجود ہوتے ۔حضرت کی مجلس وعظ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کی آواز دور دراز ونزدیک یکساں پہنچتی ،گرمی کے موسم میں بادل چھائے رہتے ،کبھی دورانِ وعظ آندھی یا بارش سے واسطہ نہ پڑتا ،آپ کے بعض خلفائے کرام دور دراز علاقوں میں مجالس کا اہتمام کرتے اور کرامت کے طور پر وہاں بھی آپ کا وعظ سنائی دیتا۔ تاثیر وعظ کا یہ عالم تھا کہ کوئی مجلسِ وعظ ایسی نہ ہوتی ،جس سے ذوق وشوق ،تصّرف وہیبت اور عظمت وجلال کے باعث کئی جنازے مہ اٹھتے اور سامعین کی کثیر تعداد کئی کئی دن تک مدہوش رہتی ۔ دوران وعظ خشیتِ الٰہی سے گریہ زاری اور آہ وفغاں ایک محشر بپا رہتا ، ہزاروں گریباں چاک ہوتے اور سینکڑوں نیم بسمل مجلس سے تڑپتے اٹھائے جاتے ۔(۲۰)

آپ رحمۃ اللہ علیہ علما کا لباس زیب تن کرتے اور تخت پر بیٹھ کر کلام کرتے۔ آپ کا کلام بآوازِ بلند ہوا کرتا تھا جب آپ کلام فرماتے تو لوگ اُسے بغور سنتے اور جب آپ کسی بات کا حکم دیتے تو لوگ فوراً آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے۔ (۲۱)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ تبلیغ کے اثرات عظیم اصلاحی تحریکوں سے بڑھ کر ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ہر مجلس میں مشرف بہ اسلام ہونے والوں اور بے عملی سے تائب ہونے والوں کا تانتا بندھ جاتا۔ انسان کو انسانیت کے مقامِ اعلیٰ سے شیطان کے مقامِ اسفل تک پہنچانے میں سب سے اہم کردار نفس کا ہے اور جس طرح عمدہ اخلاق وفضائل انسان کی سیرت اور کردار کو خوبصورت اور پاکیزہ بناتے ہیں، اسی طرح بد اخلاقی رذائل اخلاق انسان کو انسانیت کے زمرے سے نکال کر شیطانیت کے درجے میں پہنچا دیتے ہیں۔ انسان کی سرشت ہے کہ جب تک اس پر انعام واکرام کی بارش ہوتی رہے بہت خوش رہتا ہے اور جونہی اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام ہوا تو قسمت کا گلہ شروع کر دیا، آپ نے ۳ شوال ۵۴۵ھ کو اپنی مجلس (جو آپ کی خانقاہ شریف میں ہوئی) اس میں سب سے پہلی بات جو آپ نے فرمائی ''**الاعتراض علی الحق عزوجل عند نزول الاقدار، موت الدین، موت التوحید، موت التوکل** (آپ فرماتے ہیں کہ تقدیر کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا دین اور توحید، توکل اور اخلاص سب کی موت ہے۔ قلبِ مؤمن میں چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ یعنی تقدیر کا گلہ کرنا دراصل اللہ تعالیٰ پر عدم اعتماد ہے) آدمی کیونکہ عجلت پسند طبع رکھتا ہے اس لئے چاہتا ہے کہ نتیجہ فوراً نکل آئے۔ حالانکہ پودے سے درخت بننے کے لئے ایک وقت چاہئیے۔ آپ صبر کرنے اور محنت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں''**یا غلام قم تحت میزاب القدر متوسدا بالصبر**..'' اے بیٹے! صبر کر اور راضی برضا ہو کر کشادگی کے انتظار میں عبادت میں مصروف ہو جا اور تقدیر الٰہی کی راہ دیکھ، جب تو ایسا ہوگا تو اس کے لطف وکرم کی اتنی بارش ہوگی کہ تُو اس کی طلب وتمنا بھی نہیں کر سکتا۔ مقدرات کی موافقت کر اور عبدالقادر کی بات مان وہ بھی تقدیر کی موافقت کے لئے کوشش کرتا ہے۔ راضی برضا ہونے کی وجہ سے میں قادر تک پہنچا ہوں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''**اصلحوا قلوبکم فانھا اذا صلحت صلح لکم**.....'' اپنے دلوں کی اصلاح کرلو۔ اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو تمہارے سارے حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''ابنِ آدم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ اور وہ دل ہے۔''(۲۲)

اسی مجلس میں آپ اس بارے میں مزید فرماتے ہیں کہ ''**یاغلام عظ نفسک اولا ثم عظ نفس**

غیر ک....''اے بیٹے! دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنی اصلاح کرو۔اپنے نفس کی اصلاح کو مقدم سمجھو اور جب تمہاری اصلاح کی ضرورت باقی ہے دوسروں کی طرف متوجہ نہ ہو۔افسوس تم خود ڈوب رہے ہو، دوسروں کو کیا بچاؤ گے۔آدمی کی روحانی ترقی کے مانعین کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:''**یا غلام علیک بالتقویٰ۔علیک بحدود الشرع والمخالفة للنفس والھویٰ.....**''عزیز من! تقویٰ اختیار کر۔شریعت کی حدود کا خیال رکھ۔نفس، شیطان، خواہش، اور برے ساتھیوں کی مخالفت کرتا رہ۔آپ رحمۃ اللہ علیہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا شکر گذار بندہ بن کر زندگی گزاری جائے اور شکر منعم حقیقی کی پہچان کے بغیر ادا نہیں ہوسکتا۔آپ فرماتے ہیں''**یاقوم اشکرو اللہ عز و جل علیٰ نعمہ۔و انظر وھامنہ فانہ قال''ومابکم من نعمۃ فمن اللہ**''دوستو! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔اوران کو اسی کا عطیہ سمجھو۔کیونکہ وہ فرماتا ہے''جو کچھ نعمت تمہارے پاس ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے''۔اس کی نعمتوں میں لوٹنے والو! تمہاری شکر گزاری کہاں گئی؟ اس کی دی ہوئی نعمتوں کو غیر کی طرف سے سمجھنے والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ کبھی تم اس کی نعمتوں کو غیر کی بخشش سمجھتے ہو اور کبھی ان کو کم سمجھ کر مزید نعمت کے منتظر رہتے ہو اور کبھی انہی نعمتوں گناہوں میں مدد لینے لگتے ہو۔تکبر جو کہ سب سے بڑی قلبی بیماری ہے اور یہی وہ صفت رذیلہ ہے کہ اس کی وجہ سے شیطان راندۂ درگاہ ہو گیا آپ رحمۃ اللہ علیہ عجز وانکساری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں''**یا غلام دع عنک النفس والھویٰ .کن ارضا تحت اقدام ھؤ لاء القوم .ترابا بین ایدیھم....**اے بیٹے! نفس وخواہش کی پیروی ترک کرو ؟۔اوران مقدس لوگوں کے پاؤں کی خاک ہو جاؤ۔اوران کے سامنے مٹی ہو جاؤ۔(۲۳)

علاوہ ازیں آپ رحمۃ اللہ علیہ رذائل اخلاق مثلاً، ریاء ونفاق، دنیا طلبی، جہالت، منافقت، علماء سوء غیبت، جھوٹی قسمیں، اولیاء اللہ پر طنز، مال حرام حظ، مسلمان کی تحقیر کرنا، حماقت، ظلم، ہوس وغیرہ کے بارے میں بیان فرما کر ان تمام اخلاق رذیلہ سے پاک ہونے اور اخلاق حسنہ مثلاً تقویٰ، فقر، شریعت پر عمل، صبر، ایمان، اہل للہ کی صحبت، اللہ سے حیا، تعمیر باطن مشائخ کا ادب، جہادِ نفس کی فضلیت، اور دل کی پاکی وغیرہ اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں تا کہ اللہ کی معرفت ومعیت ورضا حاصل کی جا سکے جو کہ مطلوب ومقصود زندگی ہے، بزرگانِ دین نے تصوف پر بہت عظیم الشان اور امہات الکتب تصنیف کی ہیں ان کتب میں ہمیں معلومات ملتی ہیں اور اپنی بات کی تائید مختلف بزرگانِ دین کے اقوال کو دلیل کے طور پر درج کر کے کی جاتی ہے۔مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت اور عظیم الشان تصنیف''فتوح الغیب''(جو کہ آپ کے مقالات کا مجموعہ ہے) کا ایک ایک لفظ معارف سے پُر ہے۔اور یہ سراسر تجربہ ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ گویا اپنے سامنے بٹھا کر سمجھا رہے ہیں کہ

منزلِ مقصود تک کیسے پہنچنا ہے بلکہ صرف راہ بتاتے نہیں گویا ساتھ لے کے چلتے ہیں۔ آپ نے فتوح الغیب کے مقالہ نمبر اٹھہتر (۷۸) میں سالکینِ راہ حق کی دس خصلتیں بیان فرمائی ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لا **هل المجاهده والمحاسبة! واولی العزم عشر خصال واظبوها فاذا قاموا هو احكموها باذن الله تعالىٰ وصلوا الىٰ ان لا يخلف العبد.**'' ترجمہ: اہل مجاہد ومحاسبہ اور اولوالعزم سالکوں کے لئے دس خصلتیں ہیں جن پر انہوں نے مواظبت کی ہے، جب ان پر قائم رہتے ہوئے انہیں اللہ کے حکم سے مضبوط کر لیتے ہیں تو منازل ارفع تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔

الاولیٰ: ان لا يحلف العبد بالله صادقا ولا كاذبا و عامدا ولا ساهيا لانه اذا احكم ذلک من نفسه وعود لسان...'' پہلی خصلت یہ ہے کہ بندہ کسی طرح بھی اللہ کی قسم نہ کھائے، سچی نہ جھوٹی، عمداً اور نہ سہواً، جس نے اپنی ذات میں اسے پختہ کر لیا اور اپنی زبان کی عادت بنالیا تو وہ عمداً یا سہواً قسم کھانے سے بچ جاتا ہے اور جب بندہ ترکِ حلف کا عادی ہو جائے تو اس پر انوارِ الٰہی کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھل جاتا ہے اور بندہ اپنے دل میں اس کی منفعت معلوم کر لیتا ہے اس کا درجہ بلند ہو جاتا ہے اپنے عزم وصبر میں قوت پاتا ہے بھائی اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں اور پڑوسی اس کا احترام کرتے ہیں یہاں تک کہ اسے پہچاننے والے اس کی تقلید کرتے ہیں اور دیکھنے والے اس سے خوف کھاتے ہیں۔

الثانية: يجتنب الكذب هازلا وجادا الا انه اذا فعل ذلک واحكمه من نفسه وان دعىٰ له بزوال ذلک كان له ثواب.''

دوسری خصلت یہ ہے کہ بندہ قصداً یا مذاقاً جھوٹ کہنے سے بچے، کیونکہ جب بندۂ ترکِ کذب کی عادت پختہ کر لے گا اور اپنی زبان کو اس کا عادی بنالے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا شرح صدر فرمادے گا اور اس کے علم کو اتنا روشن کر دے گا گویا وہ کذب کو جانتا ہی نہیں اور جب کسی دوسرے سے جھوٹی بات سنے گا اسے قبیح جانے گا اور اپنے دل میں جھوٹے کو برا سمجھے گا اور جھوٹے سے جھوٹ بولنے کی عادت چھوٹ جانے کی دعا کرے گا تو ثواب کا حق دار ہوگا۔

الثالثة: ان يحذر ان وعد احدا شيئا فيخلفه او يقطع الوعدة البتة فانه اقوىٰ لامره واقصد لطريقه لان الخلف من الكذب فاذا فعل ذلک فتح له باب السخاء.''

تیسری خصلت یہ ہے کہ کسی سے وعدہ کرتے وقت وعدہ خلافی سے ڈرے یا وعدہ ہی نہ کرے، کیونکہ

وعدہ خلافی سے احتراز بہت قوی امر اور راہِ سلوک میں میانہ روی یہی ہے کیونکہ وعدہ کو نہ نبھانا جھوٹ کی ایک قسم ہے اور جب بندہ ایسا کرے گا تو اس کے لئے سخاوت کا دروزاہ کھل جائے گا اور اسے حیا کا درجہ مل جائے گا اور صادقین کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو جائے گی اور دربارِ خداوندی میں اسے رفعت حاصل ہوگی۔

الرابعة: ان یجتنب ان یلعن شیئا من الخلق او یو ذی ذرة فما فوقھا لانھا من اخلاق الابرار والصدیقین ولہ عاقبة حسنة فی حفظ اللہ.....''

چوتھی خصلت یہ ہے کہ مخلوق میں کسی چیز پر لعنت کرنے یا ذرّہ بھر بھی اذیت دینے سے اجتناب کرے کیونکہ یہ صفت ابرار وصدیقین کے اخلاق سے ہے۔ ایسے شخص کا انجام بخیر ہوگا دنیا میں وہ آفات سے خدا کی حفاظت میں رہے گا، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس کے لئے آخرت میں درجات ذخیرہ فرمائے گا اور ہلاکت کے قعر اور مخلوق کی گزند سے محفوظ رہے گا۔ بندوں پر شفقت اور اپنا قرب عطا فرمائے گا۔

الخامسة: ان یجتنب ان ید عوا علی احد من الخلق وان ظلمہ فلایقطعہ بلسانہ ولا یکافیہ بفعالہ ویتحمل ذلک للہ تعالیٰ ولا یکافیہ..''

پانچویں خصلت یہ ہے کہ بندہ مخلوق میں سے کسی کے لئے بددعا نہ کرے اگرچہ کسی نے اس پر ظلم کیا ہو اور زبان سے قطع تعلق نہ کرے اور اس کے کردارِ بد کا انتقام بھی نہ لے۔ اللہ کی رضا اور طلبِ ثواب کے لئے اس کی اذیتیں برداشت کرے، قول وفعل سے اس کا بدلہ نہ لے، کیونکہ جس شخص میں یہ خصلت ہوگی اس کے درجات بلند ہوں گے اور جب بندہ اس خصلت کا عادی ہو جاتا ہے تو دنیا میں بلند درجے پاتا ہے اور قریب وبعید کی تمام مخلوق میں ظاہری باطنی محبت اور مقبولیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ مستجاب الدعوات بن جاتا ہے نیکی کے کاموں میں اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور اہلِ ایمان کے دلوں میں عزیز ہو جاتا ہے۔

السادسة: ان لایقطع الشھادة علی احد من الخلق من اھل القبلة بشرک ولا کفر ولا نفاق فانہ اقرب للرحمة وھی تمام السنة وابعد.....''

چھٹی خصلت یہ ہے کہ اہلِ قبلہ سے کسی پر یقین کے ساتھ کفر وشرک اور نفاق پر گواہی نہ دے کیونکہ اہل قبلہ کی عدم تکفیر مخلوق پر رحمت وشفقت کے زیادہ قریب ہے اور درجہ علیاء کے حصول کا سبب ہے اور یہ خصلت اتباع سنت کا کمال ہے اور اللہ کے علم میں دخل دینے اور اس کے غضب سے بہت زیادہ دور رکھتی ہے اور اللہ عزوجل کی رضا ورحمت کے بہت زیادہ قریب ہے اور یہ خصلت اللہ تک رسائی کے لئے بہت بڑا دروازہ ہے، اور اس کا نتیجہ مخلوق پر مہربانی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

السابعة : یجتنب النظر الی شیئ من المعاصی ظاهر أو باطناً و یکف عنها جوارحه ذلک من اسرع الاعمال ثواباً فی القلب والجورح....''

ساتویں خصلت یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن میں گناہوں کی طرف میلان سے بچتا رہے اور اپنے اعضاء و جوارح کو معاصی سے روکے رکھے ،کیونکہ اس خصلت کی موجودگی میں بندے کو بہت جلد قلب وجوارح میں اعمال کا ثواب ملتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اجر پاتا ہے اور خیرِ آخرت بھی ذخیرہ کی جاتی ہے ۔ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم پر احسان کرتے ہوئے ہمیں ان خصلتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں سے خواہشات کو نکال دے ۔لعنت کے معنی رحمت حق سے دوری کے ہیں، کفر پر یقینی موت کے بغیر اس کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ بددعا نہ کرے کیونکہ اس سے قطع رحمی اور اسلامی حقوق کا ترک لازم آتا ہے۔

الثامنة: ان یجتنب ان یجعل علیٰ احد من الخلق منه مؤنة صغیرةً و لا کبیرةً بل یرفع مؤنته عن الخلق اجمعین مما احتاج الیه و استغنی عنه فان ذلک تمام....''

آٹھویں خصلت یہ ہے کہ کسی ادمی پر، کم یا زیادہ بوجھ ڈالنے سے احتراز کرے بلکہ اپنا بوجھ تمام مخلوق سے اٹھالے خواہ اسے اس کی احتیاج ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ خصلت عابدین کی عزت کا کمال اور متقین کا شرف ہے اس خصلت کی وجہ سے عزت وہیبت حاصل ہونے کی وجہ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر قوت پاتا ہے اس شخص کے نزدیک تمام لوگ اغنیاء وفقراء ایک جیسے ہوجاتے ہیں، جب مومن اس خصلت پر راسخ ہوجاتا ہے تو اسے غنا، یقین اور وثوق باللہ کی منزل پر منتقل کر دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی خواہش سے بلند نہیں کرتا، پھر اس مومن کے نزدیک حق کہنے میں تمام مخلوق برابر ہوجاتی ہے اور یقین کرلینا چاہئے اس دروازے میں داخل ہونا مسلمانوں کی عزت اور متقین کے شرف کا سبب ہے اور یہ اخلاص تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے۔

التاسعه : ینبغی له ان یقطع طمعه من الادمیین و لا یطمع نفسه فیما ایدیهم فانه العز الاکبر و الغنی الخالص و الملک العظیم و الفخر الجلیل.....''

نویں خصلت یہ ہے کہ سالک لوگوں سے حرص وطمع ختم کردے اور ان کے ہاتھوں میں جو چیز موجود ہے نفس کو اس کے لالچ سے بچائے ،کیونکہ یہ خصلت بڑی عزت ،خالص اسعناً ،ملک عظیم ،فخر جلیل ،یقین

صافی ،شرک اور غیر پر اعتماد کی بیماری سے نجات دہندہ اور خالص توکل ہے اور وثوق باللہ اور زہد کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اسی کی وجہ سے تقویٰ کی دولت ملتی ہے اور عبادات کی تکمیل ہوتی ہے اور یہ ان لوگوں کی علامت ہے جو سب رشتے توڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہیں۔

العاشره : التواضع لان بها يشيد محل العابد ويعلو منزله ويستكمل العزو الرفعة عندالله سبحانه و عندالخلق و يقدر علىٰ مايريد.....''

دسویں خصلت تواضع ہے۔اس خصلت کی وجہ سے عابد کا محل آراستہ اور خوبصورت ہوتا ہے اور اس کا مقام بلند ہوتا ہے،عنداللہ اور عندالناس اس کی عزت بڑھتی ہے اور مراتب بلند ہوتے ہیں اور دنیا اور آخرت کی جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس پر قادر ہوجاتا ہے۔سب اطاعتوں کی اصل،ان کی فرع اور ان کا کمال یہی خصلت ہے۔اسی کے ذریعے بندہ صالحین کے مقامات حاصل کرتا ہے جو تنگی وآسانی کی حالت میں اللہ سے خوش رہتے ہیں اور صفت تواضع ہی کمالِ تقویٰ ہے۔تواضع کی ایک علامت یہ ہے کہ آدمی جس سے ملے اس کو اپنی ذات سے بڑا سمجھے اور کہے شاید یہ شخص اللہ کے نزدیک مجھ سے بہتر اور مرتبے میں مجھ سے بڑا ہو۔اگر ملنے والا چھوٹا ہےتو کہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی اور میں نافرمانی کا مرتکب ہوا ہوں،اس لیے یہ مجھ سے بہتر ہے۔اگر ملنے والا عمر میں بڑا ہےتو کہے کہ اس نے مجھ سے پہلے رب کی عبادت کی ہے،اور اگر ملنے والا عالم ہےتو کہے کہ اسے وہ چیز عطا کی گئی ہے جس تک میری رسائی نہیں اور اس نے وہ کچھ پایا ہے جو میں نہیں پاسکا،اور اسے وہ علم ہے جو مجھے نہیں اور وہ علم کے ساتھ عمل بھی کرتا ہے۔اگر ملنے والا جاہل ہےتو کہے کہ اس نے تو نادانی میں اللہ کی نافرمانی کی ہے اور میں جانتے بوجھتے جرم کا مرتکب ہوا ہوں اور مجھے یہ علم نہیں کہ میرا انجام کیسا ہوگا اور اس خاتمہ کس حال میں ہوگا۔اور اگر ملنے والا کافر ہےتو کہے ممکن ہے اسے دولتِ ایمان نصیب ہوجائے اور اس کا خاتمہ بالخیر ہوجائے اور ممکن ہے کہ میں کافر ہوجاؤں اور میرا خاتمہ برے حال میں ہو۔یہ دوسروں پر شفقت اور اپنے نفس پر خوف کا باب ہے اور یہ چیز مصاحبت کے زیادہ لائق ہے اور یہ آخری چیز ہے جس کا اثر بندوں پر زیادہ رہے گا۔جب بندہ صفتِ تواضع سے متصف ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے نفسانی اور اچانک پہنچنے والے شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے گا اور اسے اللہ کے خیر خواہ اور حقوقِ اللہ کے ادا کرنے والے کے مقام عطا کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ دوستوں میں ہوجائے گا اور اللہ کا دشمن یعنی ابلیس کے دشمنوں سے ہوگا۔تواضع رحمت کا دروازہ ہے اس کے ساتھ تکبر کا دروازہ ٹوٹ جاتا ہے اور خود پسندی کی رسی کٹ جاتی ہے اور اس سے دین و دنیا اور آخرت میں بندے کے نفس کی بڑائی کا درجہ گھٹ جاتا ہے۔

تواضع عبادت کا مغز ہے۔ زہّاد وعباد کی انتہائی بزرگی پر دلالت کرتی ہے۔ کوئی چیز اس سے افضل نہیں ہے اس خصلت کے ساتھ انسان کی زبان اہلِ علم کے ذکر اور بے فائدہ باتوں سے رک جاتی ہے اس کے بغیر بندے کا کوئی عمل پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا، یہ خصلت تمام احوال میں کینہ، تکبر اور حد سے گزر جانے کی خواہش میں اس کی زبان، اس کا چاہنا اور اس کا کلام کرنا ظاہر و باطن میں ایک ہوجاتا ہے اور پوری مخلوق کی خیر خواہی اور حقوق کی ادائی میں سے ایک ہوجاتی ہے۔ وہ مخلوقِ خدا میں سے کسی کو مصلحت و نصیحت کے بغیر سرزنش نہیں کرتا۔ وہ اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کے سامنے کسی کا برائی سے ذکر کیا جائے اس سے اس کا دل راحت نہیں پاتا بلکہ رنجیدہ ہوتا ہے اور یہ صفتِ غیبت عابدوں کے لئے آفت اور زاہدوں اور اطاعت گزاروں کے حق میں ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جس کی زبان اور دل کی حفاظت کی حفاظت فرمائے وہی بچتا ہے۔ (۲۴)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ دلوں پر بجلی کی طرح اثر کرتے تھے اور وہ تاثیر آج بھی آپ کے کلام میں موجود ہے، فتوح الغیب اور الفتح الربانی کے مضامین اور آپ کی مجالس وعظ کے الفاظ آج بھی دلوں کو گرماتے ہیں، ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی ان میں زندگی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے نائبین اور عارفین کاملین کے کلام کی طرح یہ مضامین بھی ہر وقت کے مناسب اور سامعین اور مخاطبین کے حالات وضروریات کے مطابق ہوتے تھے، عام طور پر لوگ جن بیماریوں میں مبتلا اور جن مغالطوں میں گرفتار تھے، انہی کا ازالہ کیا جاتا تھا، اسی لئے حاضرین آپ کے ارشادات میں اپنے زخم کا مرہم، اپنے مرض کی دوا اور اپنے سوالات وشبہات کا جواب پاتے تھے، آپ کا کلام دلوں پر عجیب اثر کرتا تھا۔ آپ کے کلام میں بیک وقت شوکت وعظمت بھی ہے اور دل آویزی اور حلاوت بھی، اور ''صدیقین'' کے کلام کی یہی پہچان ہے (۲۵) اور آپ کے کلام میں تاثیر کیوں نہ ہوتی کہ آپ کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے وعظ ونصیحت کا حکم ملا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دن ظہر کے وقت سے پہلے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ نے مجھ سے فرمایا۔ فرزند! تم وعظ ونصیحت کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا میرے بزرگوار والد ماجد! میں ایک عجمی شخص ہوں۔ فصحائے بغداد کے سامنے کس طرح سے زبان کھولوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنا منہ کھولو، میں نے منہ کھولا، آپ نے سات دفعہ میرے منہ میں لعاب دہن ڈالا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ تم وعظ ونصیحت کرو اور حکمت عملی سے لوگوں کو نیک بات کی طرف بلاؤ پھر میں ظہر کی نماز پڑھ کر بیٹھا تو خلقت میرے پاس جمع ہوگئی اور میں کچھ مرعوب سا ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نے فرمایا اپنا منہ کھولو۔ میں نے منہ کھولا آپ نے چھ دفعہ اس

میں لعاب دھن ڈالا۔ میں نے عرض کیا آپ نے پورے سات دفعہ کیوں نہیں لعاب دھن ڈالا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرتا ہوں پھر آپ مجھ سے پوشیدہ ہو گئے۔ (۲۶)

آپ کی مجالس وعظ میں یہود ونصاریٰ مسلمان ہوتے تھے، چور ڈاکو اور شریر لوگ توبہ کرتے تھے اور رافضی وغیرہ اپنے عقائد سے رجوع کیا کرتے تھے۔ آپ کے پاس ایک راہب آیا اور مجلس میں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا پھر اس نے لوگوں سے کہا کہ میں یمن کا رہنے والا ہوں، میرے دل میں اسلام قوی ہوا اور میرا اور ارادہ پختہ ہو گیا کہ میں اسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوں گا جو کہ اہل یمن سے، میرے گمان میں بہتر ہو۔ اس خیال میں متفکر بیٹھا تھا کہ اتنے میں نیند مجھ پر غالب ہو گئی تب میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ فرماتے ہیں کہ اے سنان! تم بغداد کو جاؤ اور شیخ عبد القادر جیلانی کے ہاتھ پر مسلمان ہو جاؤ کیونکہ وہ اس وقت تمام زمین والوں سے بہتر ہیں۔ (۲۷)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلے میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کسی رُو رعایت کی گنجائش نہیں تھی۔ حافظ ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں ''**كان يأمر بالمعروف وينهى عن المنكر الخلفاء والوزراء والسّلاطين ,والقضاة والخاصة .....**'' ترجمہ: آپ خلفاء، وزراء، سلاطین، قضاۃ، خواص وعوام، سب کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرماتے اور بڑی صفائی اور جرأت کے ساتھ ان کو بھرے مجمع میں اور برسر منبر علی الاعلان ٹوک دیتے، جو کسی ظالم کو حاکم بناتا، اس پر اعتراض کرتے اور خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی آپ کو پرواہ نہ ہوتی۔ (۲۸)

ایک معاصر خلیفہ المقتفی لامر اللہ نے ابوالوفا یحییٰ بن سعید کو عہدۂ قضا تفویض کیا حالانکہ یہ شخص ''ابن المزحم الظالم'' کے لقب سے معروف تھا، اس موقع پر شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ کے اس اقدام کی برسرِ منبر مذمت کی اور دوران وعظ میں اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنایا ہے جو ''اظلم الظالمین'' ہے کل کو قیامت کے دن اس ربّ العٰلمین کو کیا جواب دو گے جو ارحم الرّاحمین ہے؟'' خلیفہ یہ سن کر کانپ اٹھا اور قاضی مذکور کو فی الفور معزول کر دیا۔ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اگر خلیفہ وقت کو مکتوب ارسال فرماتے تو اس کا سیاق عبارت اس طرح ہوتا: ''یہ مکتوب عبدالقادر کی جانب سے ہے، جو تم کو فلاں فلاں باتوں کا حکم دیتا ہے، اس کا حکم تم پر نافذ ہے اور اس کی اطاعت تم پر واجب ہے، اس لئے کہ وہ مقتدا ہے اور تم پر اُس کی حجت قائم ہے'' جب خلیفہ کو یہ مکتوب پہنچتا تو وہ اس کو چومتا، آنکھوں سے لگاتا اور کہتا کہ بے شک حضرت نے درست فرمایا۔ (۲۹)

شیخ عبدالقادر جبائی بیان کرتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ میں بہت چاہتا ہوں کہ پہلے کی طرح بیابانوں میں رہا کروں ۔نہ مخلوق مجھے دیکھے نہ میں مخلوق کو دیکھوں مگر خدا تعالیٰ کو مجھ سے خلق کو نفع پہنچانا منظور تھا کیونکہ میرے ہاتھ پر پانچ ہزار یہود و نصاریٰ نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زیادہ قطاع الطریق اور مفسد لوگوں نے توبہ کی۔ (۳۰)

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات نمایاں پہلو رحمتِ خداوندی کی امید دلانا، کتاب وسنت کی پیروی، تعلق باللہ، توکّل مخلوق سے بے نیازی، دنیا کی صحیح حقیقت، ذکر خدا اور بالخصوص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے نسبت استوار کرنا ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق وعادات ''**انک لعلی خلق عظیم**'' کا نمونہ اور مصداق ہیں ،آپ اتنے عالی مرتبت ،جلیل القدر، وسیع العلم ہونے اور شان وشوکت کے باوجود ضعیفوں میں بیٹھتے ، فقیروں کے ساتھ تواضع سے پیش آتے ، بڑوں کی عزت ، چھوٹوں پر شفقت فرماتے ،سلام کرنے میں پہل کرتے اور طالب علموں اور مہمانوں کے ساتھ کافی دیر بیٹھتے ،ان کی لغزشوں اور گستاخیوں سے درگذر فرماتے ،اگر آپ کے سامنے کوئی جھوٹی قسم بھی کھاتا تو آپ اس کا یقین فرمالیتے اور اپنے علم کشف کو ظاہر نہ کرتے ،آپ کبھی نافرمانوں ،سرکشوں ،ظالموں اور مالداروں کے لئے کھڑے نہ ہوتے ، نہ کبھی وزیر یا حاکم کے دروازے پر جاتے ۔مشائخ وقت میں سے کوئی بھی حسن خلق ، وسعت قلب ،کرم نفس ،مہربانی اور عہد کی نگہداشت میں آپ کی برابری نہیں کرسکتا تھا۔ (۳۱)

آپ نے بیعت اور خانقاہی تربیت کے طریقوں کو بھی مرکز توجہ بنایا۔ بیعت کا طریق ،اہل ارشاد میں پہلے سے مروج تھا لیکن شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے وسعت اور تازگی بھی دی اور نظم وضبط بھی بخشا شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ان کا جاری کردہ طریقۂ قادریہ" لاکھوں نفوس کو فیض یاب کر چکا تھا ۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ کے خلفاء اور قادری خانقاہوں کا سلسلہ نہ صرف عالم اسلام میں اصلاح وارشاد کی ایک وسیع تحریک کی صورت اختیار کر گیا بلکہ غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ثابت ہوا۔ (۳۲)

آج جب کہ ہمارا معاشرہ پھر زبوں حالی کا شکار ہے، اسلامی قدریں اپنا تشخص کھو رہی ہیں اور اسلام روبہ زوال ہے۔دین سے دوری اور مادیت پسندی جیسے مسائل ہمارے لئے سوہانِ روح بنتے جارہے ہیں ان سب کا حقیقی اور پائیدار حل صرف اور صرف آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ہی ممکن ہے اور آج بھی روبہ زوال اخلاقی اور اسلامی اقدار کی حیاتِ نو اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے حصول کے لئے آپ کی سچی اور پاکیزہ زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ بنانا ہوگا۔ کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات اور ارشادات آج کے اس پرآشوب

اور گئے گزرے دور میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور آج بھی زندگی کے ہر موڑ پر ایک شفیق ومہربان اور سچے راہبر کی طرح ہماری رہنمائی فرماتے ہیں۔ معاشرے کی تعمیر وترقی اور صحت منداور پاکیزہ معاشرے کا حصول بزرگانِ دین کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے بغیر ناممکن ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ، کوئی پہلو ہو حضرت کے ارشادات اور تعلیمات ہمارے لئے رہبر کا کام کرتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃاللہ علیہ نے پوری ہمت وطاقت اور اخلاص کے ساتھ وعظ وارشاد، دعوت وتربیت، اصلاحِ نفوس اور تزکیہ قلوب کی طرف متوجہ کیا ہے آپ کی تعلیمات کی وجہ سے روبہ زوال اسلام میں نئی قوت وحرکت اور مسلمانوں میں نیا ایمان اور نئی زندگی پیدا ہوئی۔ آپ رحمۃاللہ علیہ کی تعلیمات نے انسانی فکر ونظر کو تطہیر بخشی۔ آپ رحمۃاللہ علیہ نے حسنِ عمل کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کیا جس کی روشنی میں مسلمان آج بھی اپنے کردار عمل کی اصلاح کر کے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا سامان کر سکتے ہیں۔

♦♦♦

حوالہ جات

۱۔ سیوطی،جلال الدین،تاریخ الخلفاء،مترجم محمد عبدالاحد قادری،ممتاز اکیڈمی،لاہور،س ن،ص:۲۲۹

۲۔ ندوی،ابوالحسن علی،''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر''،مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو،طبع نہم،۱۹۷۹ء،ص ۱۹۷۔۱۹۶

۳۔ دہلوی،عبدالحق،محدث،زبدۃ الآثار،مترجم اقبال احمد فاروقی،ص ۶

۴۔ تاذفی،محمد بن یحییٰ،قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر،مترجم محمد عبدالستار قادری،نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۸ء،ص:۲۸

۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ،دانش گاہ لاہور،پنجاب یونیورسٹی،۱۹۸۶ء،ج:۱۲،ص:۹۲۹

۶۔ جامی،محمد بن عبدالرحمن،نفحات الانس،مترجم مولانا احمد علی چشتی،اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور ۲۰۰۲ء، ص:۵۳۱

۷۔ گولڑوی،پیر نصیرالدین نصیر،نام ونسب،حمزہ پرویز پرنٹرز راولپنڈی،طبع چہارم،۲۰۱۰ء،ص:۵۹۷

۸۔ تاذفی،محمد بن یحیی،قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر،ص:۵۵

۹۔ السامرائی،علامہ یونس ابراہیم،الشیخ عبدالقادر الکیلانی حیاتہ وآثارہ،مطبع الامہ بغداد۔س ن،ص ۷ تا ۶

۹۔ تاذفی،محمد بن یحییٰ،قلائد الجواہر فی مناقب شیخ عبدالقادر گیلانی ص:۳۵،۳۴

۱۰۔ سید نصیرالدین نصیر،نام ونسب،ص:۵۸۰

۱۱۔ ندوی،ابوالحسن علی،تاریخِ دعوت وعزیمت،مجلس نشریات اسلام کراچی،طبع دوم ۱۹۶۹ء،ج:۱،ص:۱۹۷

۱۲۔ دہلوی،عبدالحق،محدث۔اخبارالاخیار،مترجم مولانا محمد عبدالاحد،ممتاز اکیڈمی لاہور،س ن،ص:۲۹

۱۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ،دانش گاہ لاہور،پنجاب یونیورسٹی،۱۹۸۶ء ج ۱۲،ص:۹۳۰

۱۴۔ تادفی،محمد بن یحییٰ،قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر،مترجم علامہ محمد عبدالستار قادری،نوریہ رضویہ پبلیکیشنز لاہور،ص:۶۸

۱۵۔ ندوی،ابوالحسن علی،تاریخ دعوت وعزیمت،مجلس نشریات اسلام کراچی،طبع دوم،س ن،ص:۱۹۸

۱۶۔ البغدادی،ھدیۃ العارفین،ج:۱،ص:۹۵۶،عمر رضا کحالہ،معجم المؤلفین،ج:۵،ص:۳۰۷

۱۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ،ص:۹۳۱، ۹۳۲، نوٹ: یہ تفسیر'' التفسیر الجیلانی'' کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔ڈاکٹرعبدالرشید قادری

۱۸۔ ابن کثیر،عمادالدین اسماعیل،البدایہ والنہایہ،ص: ۲۶۴

۱۹۔ تاذفی،محمد بن یحییٰ،قلائدالجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر،ص:۶۱، ۵۸

۲۰۔ گولڑوی،سیدنصیرالدین نصیر،نام ونسب،ص: ۵۸۲

۲۱۔ تاذفی،محمد بن یحییٰ،قلائدالجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر،ص:۶۱

۲۲۔ جیلانی ،شیخ سیّدعبدالقادر ،الفتح الربانی، مترجم مولانا ثناء اللہ ندوی،علمی پرنٹنگ پریس ،لاہور،طبع دوم ۱۹۱۸ء،ص:۱ تا ۷

۲۳۔ جیلانی،شیخ سیّدعبدالقادر،الفتح الربانی،ص:۶

۲۴۔ دہلوی ، شیخ عبدالحق محدث ،شرح فتوح الغیب ۔ مترجم ،ظہور احمد جلالی ۔صفہ اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۰،۷۷۰ء،ص:۷۸۰

۲۵۔ ندوی،ابوالحسن علی،تاریخ دعوت وعزیمت۔مجلس نشریات اسلام کراچی۔طبع دوم،س ن،ص:۲۰۸

۲۶۔ تاذفی،محمد بن یحییٰ،قلائدالجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر گیلانی،ص: ۶۳

۲۷۔ الشطنوفی،امام ابوالحسن،بہجتہ الاسرار،ص:۲۷۵

۲۸۔ ابن کثیر،عمادالدین اسماعیل،البدایہ والنہایہ،ص: ۲۶۵

۲۹۔ گیلانی،نصیرالدین نصیر۔نام ونسب۔اسلام آباد: گیلانی پبلشرز درگاہ گولڑہ شریف،۱۹۸۹ء،ص: ۵۸۴

۳۰۔ الشطنوفی،امام ابوالحسن،بہجتہ الاسرار،ص:۹۰

۳۱۔ دہلوی،شیخ عبدالحق محدث،اخبارالاخیار۔مترجم محمدعبدالاحد قادری،ممتاز اکیڈمی لاہور،سن اشاعت ندارد،ص: ۴۸

۳۲۔ اردودائرہ معارف اسلامیہ،دانش گاہ لاہور، پنجاب یونیورسٹی،۱۹۸۶ء،ج ۱۲،ص: ۹۳۴

♦♦♦

ادبِ تصوف اور أبو عبداللہ الحارث بن أسد المحاسبی

حافظ محمد اکرم الازھری ☆

Abstract:

Sheikh Al Mahasbi was born in 165AH. In early era of Tasawwuf he was known as great Sufi. After completion of his education, he devoted himself for the permotion of education and to serve the Muslim Ummah. He wrote more than two hundered books on the fields of Hadith, Mysticism, Jurisprudence and on other topics. He was great Scholar, preacher, researcher, jurist and sufi of his period. All the learned personalities of his time tributed his contributions.

Key Words.

Sheikh, Mahasbi, Jurisprudence, Mysticism, Jusrist, Sufi, Contributions.

امام أبو عبداللہ الحارث بن أسد المحاسبی کا شمار اولین صوفیہ میں کیا جاتا ہے۔ آپ کی پیدائش 165ہجری عراق کے مشہور شہر بصرہ میں ہوئی، کثرت محاسبہ کی وجہ سے المحاسبی کے لقب سے معروف ہوئے علم و عمل اور زہد و تقوی میں عدیم المثال تھے، صاحب طبقات الشافعیہ الکبری [۱] تاج الدین السبکی [۲] نے آپکو امام شافعی کے تلامذہ میں شمار کیا ہے اور یزید بن ہارون سے احادیث روایت کی ہیں، آپ کے مشہور تلامذہ: أبو العباس بن مسروق، احمد بن الحسن بن عبد الجبار الصوفی، مشہور صوفی بزرگ جنید البغدادی، اسماعیل بن اسحٰق السراج

☆لیکچرار عربی، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

،أبوعلی الحسین بن خیران،احمد بن القاسم بن نصر،احمد بن عبداللہ بن میمون بھی شامل ہیں۔

آپ اپنے زمانہ کے محدث،راوی عالم باعمل،عابد،ناسک،زاہد،فقیہ،اصولی،متکلم،اور عدیم النظیر واعظ ومبلغ تھے۔آپ کے معاصر علماء نے آپ کی مختلف علوم میں امامت وریاضت کوتسلیم کیا ہے۔

مام تاج الدین السبکی نے آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً200 بیان کی ہیں(۳) اور بیش تر کتب علم تصوف،اصول الدین فرقہ معتزلہ،رافضہ اور قدریہ کی رد میں ہیں ۔آپ کا وصال 243 ہجری میں بصرہ میں ہوااور وہیں دفن ہوئے۔درج ذیل مضمون آپ کی اہم تصنیف رسالۃ المسترشدین سے اقتباس ہے۔

انسان کواللہ کا قرب کیسے حاصل ہوگا؟

تمام تعریفیں ہیں اس ذات کی جو اصل وقدیم ہے،عظمتوں والا یکتا ہے،نہ اس کی کوئی مثل ہے اور نہ مثال ہے،میں اس کی تعریف کرتا ہوں جو اس کی نعمتوں کے مطابق ہو اور اس نعمتوں کے کمال تک پہنچ جائے۔ایسی گواہی جو اس کی ربوبیت کو جاننے والی ہو اور اس کی وحدانیت کی پہچان ہو۔اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی وحی کیلئے منتخب کیا اور سلسلۂ نبوت کو آپ پرختم کیا اور آپ (حضرت محمد ﷺ) کو اپنی تمام مخلوق کیلئے دلیل وحجت بنایا۔

ارشاد ربانی ہے:

"لیھلک من ھلک عن بیّنۃ ویحی من حیّ عن بیّنۃ"(۴)

''تاکہ جسے ہلاک ہونا ہو وہ روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو،اور جسے زندہ رہنا ہو وہ بھی واضح دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمنین بندوں میں سے کچھ ایسے عقلمند اہل صفا کا انتخاب کیا جو معرفت الٰہی کے پیکر،احکام الٰہی کو جاننے والے ہیں اور اللہ سے کیے گئے عہد کے پاسدار اور خشیت الٰہی سے سرشار اور باطل سے ڈرنے والے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"انمایتذکر أولوالألباب ،الّذین یوفون بعھداللہ و لاینقضون المیثاق والّذین یصلون ما أمراللہ یوصل ویخشون ربھم ویخافون سوء الحساب"(۵)

"بیشک نصیحت تو اہل عقل ہی حاصل کر سکتے ہیں،اور یہ اہل عقل اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے

عہد کو پورا کرتے ہیں ،اور اس عہد کو نہیں توڑتے اللہ تعالیٰ نے جن کو جوڑنے کا حکم دیا انہیں برقرار رکھتے ہیں،اور اپنے رب کے سخت عذاب ڈرتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے جس کا سینہ کشادہ کر دیا اور تصدیق اس کے دل تک پہنچادی اور اس نے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کی تو عقلمند لوگوں کا طریقہ حدود وشریعت کے مطابق اس پر لازم ہو گیا یعنی کہ قرآن وسنت اور جس پر ائمہ کا اجماع ہے اس پر عمل کرتے ہیں،اور یہ سیدھا راستہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو بلایا۔

ارشاد ربانی ہے:

"وانّ ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوا ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذٰلکم وصاکم بہ لعلکم تتقون"۔ (۶)

"بیشک میرا راستہ سیدھا راستہ ہے پس تم اس کی پیروی کرو اور تم ایسے راستے کی پیروی نہ کرو جو کہ تمہیں اس کے راستے سے جدا کر دے،اور تمہیں اس کی وصیت کی تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ"

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی،عضوا بالنواجذ" (۷)

"تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے پس تم اس کو مضبوطی سے تھام لو"

اور جان لو! کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی فرضیت کا تقاضہ ہے کہ حکمت و دانش مندی کے ساتھ اس کے اوامر ونواہی پر عمل پیرا ہونا،اس کے وعدوں اور وعیدوں سے پر امید رہنا اور اس کے عذاب سے خوف کھانا اور متشابہات پر ایمان لانا اور اس کے قصص اور امثال سے عبرت حاصل کرنا،اگر اپ اس پر عمل پیرا ہوں گے تو آپ جہالت کے اندھیروں سے منتقل ہو کر علم کے نور میں داخل ہو جائیں گے۔اور عذاب یقین (۸) سے روح الیقین (۹) کی دولت حاصل ہو گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اللہ وَلیُّ الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور" (۱۰)

"اللہ تعالیٰ ان کا دوست ہے جو ایمان لائیں اور انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف

رہنمائی کرتا ہے"۔ اور یہ بات واضح ہے کہ اہل عقل اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو ظاہری احکامات پر عمل کرتے ہیں اور شبہات سے پرہیز کرتے ہیں۔ (۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"الحلال بین و الحرام بین و بین ذٰلک أمور متشابہات" (۱۲)

" حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور ہیں وہ متشابہات میں سے ہیں"

پس ان کو ترک کرنا اپنانے سے بہتر ہے، پس جس نے انہیں اختیار کیا اس کی نیت کو پرکھا جائے گا کیونکہ محاسبہ نیت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ (۱۳)

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"انما الأعمال بالنیات، و انّما لکل امرئ ما نوی" (۱۴)

" بیشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی"

اور تقوی پرہیز گاری کو اپنے اوپر لازم کرلو (۱۵)

" بیشک مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں اور مؤمن وہ ہے جو اپنے اعتماد کے ساتھ لوگوں کو امن دے"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اسکی اطاعت کے ساتھ، اور اللہ کی اطاعت کرو اس کے خوف کے ساتھ، اور مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ کو، اپنے پیٹ کو ان کے مالوں سے اور اپنی زبان کو ان کی عیب جوئی سے روک لو اور ہر قدم پر اپنا محاسبہ کرتے رہو اور ہر لمحہ اللہ سے ڈرتے رہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اپنے نفس کا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے، اور اعمال کو پرکھ لو یہاں تک کہ اس مال کو پرکھا جائے، اور قیامت کے دن کے لیے اپنے نفوس کو مزین کرلو جس روز تم سے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے گی، اللہ تعالیٰ سے دین کے معاملہ میں ڈرو اور اپنے تمام معاملات میں اللہ سے امید رکھو، اور اگر تمہیں تکلیف پہنچے اس پر صبر کرو''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے انسان !توخوف مت کھا ماسوائے اپنے گناہوں سے اور اپنے رب کے سوا کسی سے امید نہ رکھ اور تجھے جس چیز کا علم نہیں ہے اس کے بارے میں سوال کرنے سے مت شرما یہاں تک کہ تو اسے جان لے، اور یاد رکھ کہ صبر کو ایمان میں وہ مقام حاصل ہے جو سر کو جسم میں حاصل ہے پس جس کا سر کاٹ دیا جائے تو اس کا جسم نہیں رہتا، اور جب تو اپنی عزت کے معاملے میں ایسا کلمہ سنے جو غضبناک کر دے تو اس پر درگزر کر کیونکہ یہ اولوالعزم لوگوں کا یہی طریقہ ہے۔''

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو وہ اپنے غصہ کو ظاہر نہیں کرتا(۱۶) اور جو تقویٰ اختیار کرے(۱۷) وہ ہرگز وہ کام نہیں کر سکتا جس کا کہ وہ ارادہ رکھتا ہو، اور اگر لوگوں کو قیامت کے دن کا خوف نہ ہوتا تو تم دنیا کو اس حالت میں نہ دیکھتے جو آج دیکھ رہے ہو۔''

''اپنے نفس کی حفاظت کر، اور دوسرے لوگوں کی عیب جوئی کے بجائے اپنے نفس کی اصلاح کر، کیونکہ ایک آدمی کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کا عیب لوگوں پر ظاہر ہو جائے جو اس کے اپنے آپ پر پوشیدہ رکھا ہو، اور یہ بیان کرے جس پر لوگ عمل کرنا ناپسند کریں(۱۸) اس کے دوست اسے اذیت جانیں اور لوگ اس کو فضول گردانیں، اللہ کے حکم کو تسلیم کر اور عقلی تدبیر کو اس کے حکم پر ترک کر۔''(۱۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے ابن آدم تو اپنے مالدار ہونے پر خوش نہ ہو اور غربت سے مایوس نہ ہو(۲۰) آنے والی آفت کا غم نہ کر اور اپنی خوشحالی سے خوش نہ ہو کیونکہ سونے کو آگ میں پرکھا جاتا ہے، اور صالح انسان کو تکلیف کے ساتھ آزمایا جاتا ہے(۲۱)، اور جو کچھ تو چاہتا ہے اسے اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک تو خواہشات کو ترک نہ کر دے، جو تو چاہتا ہے اسے اس وقت ہی حاصل کر سکتا ہے جب تو ناپسندیدہ، مشکل امر پر صابر رہے، جو تجھ پہ فرض کیا گیا ہے اس کو پورا کرنے میں اپنی کوشش کو جاری رکھ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا کیا ہے اس پر راضی ہو جا۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تیری تقدیر میں لکھا ہے اس پر راضی ہو جا تب تو لوگوں میں سب سے

زیادہ غنی ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تجھ پر حرام کیا اس سے پرہیز کرتو تو لوگوں میں سب سے زیادہ متقی بن جائے گا،اور یہ نہیں ہوسکتا کہ جو کچھ تجھ پر سب سے زیادہ مہربان ہو وہ تجھ پر رحم کرے، جو اللہ تعالیٰ نے تجھ پر فرض کیا اس کو ادا کرتو تو لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار بن جائے گا،اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتو تو خاص لوگوں میں سے ہوجائے گا۔''

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اے بیٹے! جو کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اس سے بے پرواہ ہوجا تو بیشک وہ غنی ہوجائے گا اور لالچ ،طمع سے بچ کیونکہ یہی تنگدستی ہے،تو نماز ادا کرے تو آخری نماز سمجھ کر ادا کر اور یادرکھ کہ تو ایمان کا ذائقہ اس وقت حاصل نہیں کرسکتا جب تو تو اچھی اور بری تقدیر پر ایمان نہ لائے ،اور تو حق پر عمل کرنے والا بن جا تو اللہ تعالیٰ تمہارے نور وبصیرت میں اضافہ کردے گا،اور ان میں سے جو نیکی کا حکم تو دیتے ہیں اور خود عمل سے دور رہتے ہیں وہ گناہگار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتے ہیں۔''(۲۲)

اللہ عزوجلّ نے فرمایا:

"کبر مقتاً عند اللہ أن تقولوا ما لا تفعلون"(۲۳)

"اللہ کے نزدیک یہ نہایت ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ کہو جو تم نہیں کرتے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" من وعظ ولم یتعّظ ،وزجر ولم ینزجر،ونھی ولم ینته فھو عند اللہ من الخائبین''

''جس نے نصیحت کی اور خود نصیحت حاصل نہ کی ،برائی سے روکے اور خود نہ رکے،اور جو دوسرے کو منع کرے اور خود اس سے اجتناب نہ کرے،تو وہ اللہ کے نزدیک خسارہ پانے والوں میں سے ہے۔''

اور تو میل جول نہ رکھ صرف عقلمند اور پرہیزگار لوگوں سے،اور تو صحبت اختیار نہ کر مگر صاحب بصیرت عالم کے ساتھ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ہمارے ساتھیوں میں کون بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''من ذکرکم باللہ ورؤیته ،وزادکم فی علمکم منطقه،وذکرکم بالآخرة عمله۔''(۲۴)

"جن کی زیارت سے تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد آجائے اور اس کی گفتگو تیرے علم میں اضافہ کرے،اور اس کے عمل سے تجھے آخرت کی یاد آجائے حق کے لیے تواضع اختیار کر اور سر تسلیم خم کر اور اللہ کے ذکر پر ہمیشگی اختیار کر تو اس کی قربت کو پالے گا"

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جلساء اللہ یوم القیامۃ ،الخاضعون المتواضعون الخائفون الذاکرون اللہ کثیراً۔"(۲۵)

"اللہ کے ساتھ قیامت کے دن وہ لوگ ہوں گے جو عاجزی کرنے والے،فرمانبرداری کرنے والے،ڈرنے والے،اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے ہونگے،نصیحت حاصل کر،اور اپنے معاملے میں ان لوگوں سے مشورہ طلب کر جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔"

اللہ عزّوجلّ نے فرمایا:

"انّما یخشی اللہ من عبادہ العلماء"(۲۶)

"بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"الدین نصیحۃ"(۲۷)

"دین خیرخواہی کا نام ہے"

اور جان لو! کہ جو شخص آپ کو نصیحت کرتا ہے وہ تم سے محبت کرتا ہے اور جو تمہاری تعریف کرتا ہے وہ تمہیں دھوکہ میں ڈالتا ہے اور جو تیری نصیحت پر عمل پیرا نہ ہو وہ تیرا بھائی نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اس قوم میں بھلائی نہیں جس میں نصیحت کرنے والے نہ ہوں اور نہ ہی اس قوم میں بھلائی ہے جو نصیحت کرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں"

تم سچائی کا دامن تھام لو فائدہ پاؤ گے،لغو چیزوں سے اجتناب کرو سلامتی پاؤ گے(۲۸) نیکی اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتی ہے،جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے،اور برائی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"فضول باتوں سے اجتناب کر،احمق اور بردبار سے جھگڑا نہ کر(۲۹)،اور اپنے بھائی کا ذکر

ان الفاظ میں کر جو تو اپنے لیے پسند کرتا ہے تا کہ وہ تیرے لیے خیر خواہی کا اظہار کرے،شکر کا دامن تھام لے،اپنی تمناؤں کو محدود کر،عبرت حاصل کرنے کے لیے قبر کی زیارت کرنے والا بن (۳۰) یہ تیرے دل کے لیے حشر میں روشنی کا باعث ہے''

ابوذرغفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایسے عبادت کر جیسے تو معبود کو دیکھ رہا ہے،اپنے آپ کو مردوں میں شمار کر،اور جان لے برائی ختم نہیں ہوگی اور نیکی کو فنا نہیں ہے،جان لے کہ وہ قلیل عمل جو تجھے مستغنی کر دے اس کثیر سے بہتر ہے جو تجھے ہلاک کر دے،تو مظلوم کی بددعا سے بچ،اپنے سامان کو تیار رکھ ،اپنے زادراہ سے فارغ ہوجا،اپنے نفس کو وصیت کرنے والا بن جا،کہیں ایسا نہ ہوجا کہ لوگ تجھے وصیت کریں ،اپنے معاملات میں عقلمندی اختیار کر،اور اپنے معاملات سے آگاہ ہوجا،بیشک تجھ سے تیری عمر کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اپنی عمر کیسے بسر کی ہے؟''

اُبوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر بندہ اپنے رب کے بارے میں غور فکر کرے تو وہ اس کے لیے جہاد سے بہتر ہے۔اور جان لے بیشک جو شخص آخرت کو اپنا غم بنالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا کے معاملات میں اس کے لیے کافی ہوجاتے ہیں۔''

جیسا کہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''تفرغوا من هموم الدنيا مااستطعتم ,فانه من كانت الدنيا اكبر همه افشى الله ضيعته وجعل فقره عينه ,ومن كانت الاخرة اكبر همه جمع الله له امره,وجعل غناه فى قلبه,وما اقبل عبد بقلبه الى عزوجل الا جعل الله قلوب المؤمنين تنقاد اليه بالرحمة والمودة۔''(۳۱)

''دنیا کی خواہشات سے دور بھاگو جتنی تم استطاعت رکھتے ہو،جو دنیا کو اپنی سب سے بڑی خواہش بنالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو بکھیر دیتا ہے اور تنگدستی کو اس کے لیے مقدر کر دیتا ہے،اور جو شخص آخرت کی زیادہ خواہش رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے معاملات کو جمع کر دیتا ہے اور اس کے دل میں سخاوت پیدا کر دیتا ہے،اور اگر کوئی مکمل یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مؤمنین کے دلوں میں اس کے لیے رحمت اور مودت پیدا کر دیتا ہے۔''(۳۲)

اور اے میرے بھائی قرآن پاک کے معاملے میں اختلاف سے، اور دین میں جھگڑے سے،اور غضبنا کی میں گفتگو سے اجتناب کر (۳۳) اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"واذاخاطبھم الجاھلون قالوا اسلاماً"(۳۴)

"جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ ان کوسلام کہتے ہیں"

اے انسان؛ مہذب ہوجا،خواہشات اور غضبنا کی سے بچ ،اور جو تجھے تنبیہ کی گئی اس پر عمل کر (۳۵) نرمی اختیار کر،اور دوستوں کے لیے رکاوٹ کا باعث مت بن،سلامتی ہے اپنے آپ کو محفوظ کرنے میں اور تنہائی کو اپنا ساتھی بنا،دنیا راستہ ہے اور منزل آخرت ہے۔

♦♦♦

حوالہ جات

۱۔ السبکی،تاج الدین،طبقات الشافعیة:طبعة بیروت،ص:۹۲

۲۔ المرجع السابق

۳۔ المرجع السابق

۴۔ الانفال:۴۲

۵۔ الرعد:۱۹،۲۰

۶۔ الانعام:۱۵۳

۷۔ الحدیث رواہ الامام أحمد وابن ماجہ والترمذی وأبوداؤد،باب بناء المسجد:۴۶۰۷

۸۔ الشک:یقین کا عکس ہے عدم اعتماد ہونا

۹۔ الیقین:علم کی صفات میں سے ہے معرفت اور درایت سے قبل

۱۰۔ البقرة:۲۵۷

۱۱۔ الشبہ:غیر واضح امر،صحیح البخاری:۲۰۵۱

۱۲۔ جزء من حدیث متفق علیہ،رواہ بخاری ومسلم

۱۳۔ جزء من الحدیث متفق علیہ،رواہ البخاری:۶۶۸۹

۱۴۔ صحیح البخاری،باب النیة فی الایمان:۶۶۸۹

۱۵۔ التقویٰ:خوف الٰہی کا غالب ہونا

۱۶۔ من خاف اللہ لم یشفہ غیضہ:المعنی أن من خاف اللہ فھو ینتصر علی نفسہ ولم یشف غیضہ واللہ أعلم

۱۷۔ ومن اتقاہ لم یصنع ما یرد التی یحاسب علیھا جبار السموات والارض یوم لاتملک نفس لنفس والامر یمئذ للہ

۱۸۔ یمقت الناس:یغضب من الناس أو ینتقدم

۱۹۔ واستعمل للہ عقلک بترک التدبیر:أیاستعمل عقلک فی الدعوة الی اللہ سبحانہ وتعالیٰ

مخلصاً

۲۰۔ ولاتقنط: ولاتیاس من الخیر، والقنوت

۲۱۔ یجرب بالبلاء: یکتبر بالمصائب وھل یصبر علی مقادیر اللہ أم لا؟

۲۲۔ یامر: أی یامر بالحق، ینائی عنہ: أی یتعبد عنہ

۲۳۔ الصّف: ۳

۲۴۔ مسند ابی یعلی: ۷۲۴۳، الکامل لابن عدی، ج ۶ ص ۳۲۴

۲۵۔ کتاب الزھد، نعیم بن حماد، ۲۸۷

۲۶۔ الفاطر: ۳۸

۲۷۔ رواہ مسلم، باب بیان ان الدین النصیحۃ: ۵۵

۲۸۔ اعتزال الفضول: اترک السوال عمالایعنیک لا من حتی لاتضیع وقتک الذی سوف تسال عنہ یوم القیامۃ

۲۹۔ ولاتمار سفیھاً ولاحلیماً: لاتجادل أحمقاً حتی لاتضیع وھک بمالایفید

۳۰۔ وزار القبور: أی زر القبور لأخذ العبرۃ عن المآل، المنقلب

۳۱۔ حدیث ضعیف ذکرہ السیوطی فی الجامع الصغیر، المعجم الاوسط للطبرانی: ۵۱۶۷

۳۲۔ مصدر سابق

۳۳۔ الکلام فی التحدید: جاء فی قاموس القطر المحیط فی صفحۃ (۳۶۹) المعنی: اذا تکلمت لاتتکلم الا بخیر

۳۴۔ الفرقان: ۶۳

۳۵۔ أسباب التیقظ: أاسباب التنبہ، وھو ضد الغفلۃ

♦♦♦

شیخ احمد رضا خان پر مولانا روم کے اثرات

قیصر ایوب ☆

Abstract:

"Imam Ahmad Raza Khan has great respect and honour among the experts and scholars of the sub-continent. He produced many books on different disciplines. Fatawa Rizwia is the best book which is read and known by highly educated personalities. He also related works of Maulana Roomi and tributed him it can be said that there are great impacts are showed of on the Roomi on the writings of Imam Ahmad Raza Khan Specialy in regard of Fatawa Rizvia.

Key Words.

Ahmad, Raza, Imam, Roomi, Fatawa, Rizvia, Impact, Sub-Continent.

مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی (م ۶۷۲ھ) وہ نابغۂ روزگار شخصیت ہیں جن کا ذکر خیر سات صدیوں سے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے افراد کرتے چلے آرہے ہیں۔ آپ کی مشہور تصنیف 'مثنوی معنوی'' علوم و معارف کا ایک گنج گراں بہا اور مطالب و معانی کا ایک بحر ذخار ہے جس سے پوری دنیا کے عوام وخواص فیض یاب ہورہے ہیں یہی وجہ ہے کہ جہاں عوامی حلقوں میں آپ کا چرچہ ہے وہاں ائمہ راسخین اور اولیاء کاملین میں بھی آپ حد درجہ مقبولیت کے حامل ہیں۔

☆ پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ وعربی، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

صاحب فتاویٰ رضویہ، امام احمد رضا خان (م ۱۳۴۰ھ) جنہوں نے اپنی جلالت علمی اور فقہی بصیرت کا لوہا دنیا میں منوایا اور جن کا شمار برصغیر کے کبار فقہاء میں ہوتا ہے اپنے فتاویٰ میں مولانا روم کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ جس سے
شیخ احمد رضا خان کی مولانا روم سے دلی عقیدت اور ان کے علو منزلت کا اظہار ہوتا ہے۔

فتاوی رضویہ میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے القابات:

شیخ احمد رضا خان کی مولانا روم سے والہانہ عقیدت ومحبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا روم کا تذکرہ انہوں نے نہایت خوبصورت اور جامع القابات کے ساتھ کیا ہے جو مولانا روم کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ جیسا کہ

۱۔ عمدۃ العلماء والاتقیاء

۲۔ زبدۃ العرفاء والاولیاء

۳۔ مولوی معنوی، سیدی

۴۔ جلال الملۃ والدین[۱]

۵۔ العارف الرومی[۲]

۶۔ العارف باللہ[۳]

لفظ ''شہنشاہ'' کی تحقیق:

جب شیخ احمد رضا خان نے ''حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو'' نعت تحریر کی تو لفظ شہنشاہ پر اعتراض کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ شہنشاہ مناسب نہیں تو شیخ احمد رضا خان نے اس کے جواب میں ایک رسالہ بنام ''**فقه الشهنشاه و ان القلوب بيد المحبوب بعطاء الله**'' تحریر کیا جس میں کتب حدیث وفقہ کے ساتھ ساتھ کتب تصوف سے بھی حوالے درج کئے اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی 'مثنوی معنوی' سے بھی چار اشعار بطور استشہاد پیش کئے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

گفت شاهنشاه جزاء ش کم کنید — **وربه جنگد نامش از خط بر زنید**[۴]

تا سمرقند آمدند، آں دو امیر — **پیش آں زرگر ،زشاهنشه بشیر**[۵]

پیشِ شاهنشاه بروش خوش نباز — **تا به سوزد بر سر شمع طراز**[۶]

هم ز، انواع اوانی بے عدد کہ آن چناں در بزم شاهنشاه سزد(۷)

انبیاء علیہم السلام کی بشریت:

انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے بارے میں ایک استفتاء اور اس کے جواب میں مولانا روم کے حوالے سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ انبیاء علیہم السلام کو اپنے جیسا بشر کہنا مناسب نہیں:

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستہ خوابیم و خور

ایں نداستند ایشاں از عمیٰ هست فرقے درمیاں بی انتهاء(۸)

۲۔ انبیاء کے افعال کو اپنے افعال کی مثل سمجھنا سوءِ ادب ہے

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچه باشد در نوشتن شیر و شِیر (۹)

۳۔ انبیاء علیہم السلام کی ظاہری صورت دیکھ کر انہیں اوروں کی مثل سمجھنا، ان کی بشریت کو اپنا سا جاننا ظاہر بینوں کور باطنوں کا دھوکہ ہے یہ شیطان کے دھوکے میں پڑے ہیں۔

همسری با اولیاء بر داشتند انبیاء را همچو خود پنداشتند(۱۰)(۱۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی اوصاف:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا سایہ تھا یا نہیں تھا، یہ مسئلہ بھی مختلف فیھا مسائل میں سے ہے اور شیخ احمد رضا خان حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کے بے سایہ ہونے کے قائل ہیں اور اس پر انہوں نے تین رسائل تحریر کئے ہیں جو فتاویٰ رضویہ میں موجود ہیں

۱۔ قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ نفی الفیء عمن استنار بنورہ کل شیء

۳۔ ھدی الحیران فی نفی الفیء عن سید الاکوان صلی اللہ علیہ وسلم

مزید برآں فتاوی رضویہ میں ان کی ایک تقریظ بھی شامل ہے جو انہوں نے مولانا حبیب علوی کے رسالہ پر لکھی تھی اس تقریظ میں اور رسالہ نفی الفیء میں شیخ احمد رضا خان نے مولانا روم کا حوالہ بھی پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ بندہ جب روحانیت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہو جائے تو اس کا جسم بھی لطافت کا حامل بن جاتا ہے اور بے سایہ ہو جاتا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم تو کئی درجے لطیف تر ہے تو اس کا سایہ نہ

ہونا کیونکر محال ہوسکتا ہے۔ لکھتے ہیں۔ حضرت مولوی معنوی قدس سرہ الشریف فرماتے ہیں:

چوں فنانش از فقر پیرایہ شود — او محمد وار بے سایہ شود(۱۲)

جب اس کی فنا فقر سے آراستہ ہوجاتی ہے تو وہ محمد ﷺ کی طرح بغیر سایہ کے ہوجاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا روم اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اولیاء اللہ بھی جب مقام فناء حاصل کرلیں تو ان کا جسم بھی بے سایہ ہوسکتا ہے۔

کل یوم ھو فی شأن کی تفسیر:

اس آیت کی جو تفسیر مولانا روم نے مثنوی شریف میں کی ہے اس کو بھی شیخ احمد رضا خان نے اپنے فتاویٰ کی زینت بنایا ہے۔ مولانا روم لکھتے ہیں:

کل یوم ھو فی شان بخواں — مرو رابی کار و بی فعلے مداں

کل یوم ھو فی شان کو پڑھ اس ذات کو بیکار اور بے عمل نہ سمجھ

کمتریں کاریش کہ ھر روز ست آں — کُوسہ لشکر راکند ایں سو رواں

اس کا معمولی کام ہر روز یہ ہوتا ہے کہ روزانہ تین لشکر روانہ فرماتا ہے

لشکری زاصلاب سوی امہات — بھرآں تا دررحم روید نبات

ایک لشکر پشتوں سے امہات کی طرف، تاکہ عورتوں کے رحموں میں پیدائش ظاہر فرمائے

لشکری زار حام سوی خاکداں — تاز نر و مادہ پرگرددجھاں

ایک لشکر ماؤں کے رحموں سے زمین کی طرف، تاکہ نر و مادہ سے جہان کو پُر فرمائے۔

لشکری از خاکداں سوی اجل — تابہ بیند ھرکسی حسنِ عمل (۱۳)

ایک لشکر دنیا سے موت کی جانب تاکہ ہر ایک اپنے عمل کی جزا کو دیکھے (۱۴)

کاملین سے روحانی استفاضہ:

شیخ احمد رضا خان رسالہ ''انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ'' میں انبیا و اولیاء سے بعد از وصال استفاضہ کی بحث میں مولانا عبد الرحمن جامی علیہ الرحمۃ کی نفحات الانس سے مولانا کے وصال سے قبل کے ارشادات کو نقل کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

مولانا روح اللہ روحہ، نے قریب انتقال ارشاد فرمایا:

از رفتینِ من غمناک مشوید کہ نور منصور رحمۃ اللہ تعالٰی بعد از صدو

پنجاه سال برروحِ شیخ فرید الدین عطار رحمه الله تعالٰی تجلّٰی کردو مرشداو شد۔

ہمارے جانے سے غمگین مت ہوں کہ حضرت منصور علیہ الرحمہ کا نور ایک سو پچاس سال بعد شیخ فریدالدین عطار کی روح پر تجلی کرتے ہوئے ان کا مرشد ہوگیا

اورفرمایا

:درهر حالتے که باشید مرایاد کنیدتامن شمارا ممد باشم درهر لباسے که باشم

تم جس حالت میں رہو مجھے یاد کرو تاکہ میں تمہارا مددگار رہوں میں چاہے جس لباس میں ہوں

اورفرمایا:

در عالم ماراد و تعلق ست، یکے به بدن و یکے بشما، و چون به عنایتِ حق سبحانه و تعالٰی فرد و مجرد شوم و عالم تجرید و تفرید روئے نماید آں تعلق نیز از آں شما خواهد بود۔(۱۵)

دنیا میں ہمارے دو تعلق ہیں ایک بدن کے ساتھ اور دوسرا تمہارے ساتھ، جب حق تعالیٰ کی عنایت سے میں فرد و مجرد ہوجاؤں گا اور عالمِ تفرید و تجرید ظاہر ہوجائے گا تو یہ تعلق بھی تمہارے لیے ہوگا۔(۱۶)

سماع موتیٰ:

شیخ احمد رضا خان نے سماع اموات کے موضوع پر ''حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات'' کے نام سے رسالہ تحریر کیا اور دلائل سے مردوں کے کلام سننے اور جواب دینے کو ثابت کیا بلکہ جمادات (حجر و شجر) کے سماع وکلام پر بحث کی اور یہ ثابت کیا کہ اہلسنت کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ تمام ذرات عالم ایک نوع علم وادراک اور سمع و بصر کے حامل ہیں اور اس پر مولانا روم کے شعر کا حوالہ بھی دیا جس میں مولانا ایک پتھر کی زبان سے حکایت کرتے ہیں، شیخ احمد رضا خان لکھتے ہیں۔ سچ فرمایا مولوی معنوی قدس سرہ نے:

ماسمیعیم و بصیریم و خوشیم　　　باشما نامحرما ں ما خامشیم(۱۷)

ہم سنتے بھی ہیں، دیکھتے بھی ہیں اور خوش ہیں لیکن تم نامحرموں کے سامنے ہم خاموش ہیں

مزید لکھتے ہیں:

مولوی معنوی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں اس مضمون کو خوب مشرح فرمایا اور اس پر قرآن واحادیث کے صدہا نصوص ناطق جنھیں جمع کروں تو ان شاء اللہ پانسو (۵۰۰) سے کم نہ ہوں۔ (۱۸)

قول بسطامی ''لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کی تحقیق:

تذکرۃ الاولیاء میں مذکور حضرت بایزید بسطامی کے قول ''**لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ علیہ وسلم**''، یعنی میرا جھنڈا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے اونچا ہوگا، شیخ احمد رضا خان تجلی ربانی پر محمول کرتے ہیں اور مولانا روم کے مؤقف کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی نے مثنوی شریف میں اس مقام کی خوب تفصیل فرمائی ہے اور تسلط جن سے اس کی توضیح کی ہے کہ انسان پر ایک جن مسلط ہو کر اس کی زبان سے کلام کرے اور رب عزوجل اس پر قادر نہیں کہ اپنے بندے پر تجلی فرما کر کلام فرمائے جو اس کی زبان سے سننے میں آئے، بلاشبہ اللہ قادر ہے (۱۹)

اولیاء اللہ کے مجازات:

اکثر اولیاء اللہ رحمہم اللہ نے اپنے کلام میں ایسے الفاظ کا استعمال کیا ہے کہ جن کے بظاہر معانی کچھ اور ہیں مگر وہ اس سے حقیقی معانی کچھ اور مراد لیتے ہیں، شیخ احمد رضا خان ایسے امور کا جواز پیش کرتے ہوئے مولانا روم کا حوالہ دیتے ہیں۔

خوشتر آن باشد کہ سرّ دلبران　　　گفتہ آید در حدیث دیگران (۲۰)

وہ شخص بہت اچھا ہے جو محبوب کے راز کو دوسروں کی زبان سے ادا کرتا ہے (۲۱)

نابینا کی امامت:

مولانا جلال الدین رومی نابینا کی امامت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

در شریعت هست مکروه ای کیا　　　در امامت پیش کردن کوررا

گرچه حافظ باشد و چست وفقیه　　　چشم روشن به وگر باشد سفیه (۲۲)

اے صاحب شریعت کے احکام میں نابینا کو امامت کے لئے آگے کرنا مکروہ ہے اگرچہ وہ حافظ ہو، ہوشیار ہو اور مسائل فقہ سے واقف ہو، روشن آنکھوں والا بہتر ہے اگرچہ وہ نادان ہو۔

مولانا جلال الدین رومی علم رسمی سے علم لدنی کو ترجیح دیتے ہیں اور ظاہری آنکھوں سے دل کی آنکھوں کا روشن ہونا ضروری خیال کرتے ہیں۔شریعت مطہرہ میں اندھے کی امامت جبکہ حاضرین میں دیگر علم والے موجود ہوں مکروہ تنزیہی ہے اور اگر نابینا ہی سب سے زیادہ عالم ہو تو اسی کو امام بنانا چاہئے مگر مولانا روم کے نزدیک اگر نابینا کی چشم باطن روشن ہے تو وہ پھر بھی دیگر رسمی علماء سے افضل اور امامت کے زیادہ لائق ہے۔

شیخ احمد رضا خان سے اس شعر کے بارے میں استفسار کیا گیا تو مولانا روم علیہ الرحمۃ کے مؤقف کی تائید و وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضرت مولوی قدس اللہ تعالیٰ اسرارنا بسرہ النوری اُن آنکھوں میں کلام فرتے ہیں جن سے انھیں کام ہے جس کی چشم باطن روشن ہے اگرچہ علم بطور رسمی حاصل نہ کیا ہو علم رسمی کے عالم غیر عارف سے افضل واحق بالتقدیم ہے علمِ لدنیّ علمِ رسمی سے بدر جہا اجل واکمل ہے''(۲۳)

زلزلہ کا سبب اور فلاسفہ کا رد:

زلزلہ کا اصل محرک تو حکم الٰہی اور اہل زمین کی بداعمالیاں ہی ہیں لیکن اس کا وقوع کیسے ہوتا ہے شیخ احمد رضا خان نے اس کی جو تفصیل لکھی وہ مولانا روم کی مثنوی سے ماخوذ ہے۔لکھتے ہیں:

حضرت مولوی معنوی قدس سرہ الشریف مثنوی شریف میں فرماتے ہیں

رفت ذوالقرنین سوی کوه قاف ۔ دید او،راکز زمرّد بود صاف
گرد عالم حلقه گشته اومحیط ۔ ماند حیران اندراں خلق بسیط
گفت توکوهی دگرها چیستند ۔ که به بیش عظم تو بازیستند
گفت رگهای من اندآں کوه ها ۔ مثل من نبوند درحسن وبها
من بهر شهری رگی دارم نهاں ۔ برعروقم بسته اطرافِ جهاں
حق چوخواهد زلزله شهری مرا ۔ ام فرماید که جنباں عرق را
پس بجنبانم من آں رگ رابقهر ۔ کهبداں رگ متصل گشت است شهر
چوں بگوید بس، شود ساکن رگم ۔ ساکنم و ز روی فعل اندر تگم
همچومرهم ساکن وبس کارکن ۔ چوں خرد ساکن وزوجنباں سخن
نزد آنکس که نه داند عقلش ایں ۔ زلزله هست ازبخارات زمیں
ایں بخارات زمیں نه بود بداں ۔ زامرحق است وازاں کوه گراں

مور کی بر کاغذی دیداوقلم — گفت بامور ی دگر ایں راز هم
که عجائب نقشهاآں کلک کرد — همچو ریحان وچوسوسن زارو ورد
گفت آں مور اصبع ست آں پیشه ور — وین قلم در فعل فرع ست واثر
گفت آں مورسوم کزبازواست — که اصبع لاغرنه زورش نقش بست
همچنیں میرفت بالاتا یکی — مهتر موراں فطن بود اند کی
گفت کز صورت می بینید ایں هنر — که بخواب ومرگ گردد بی خبر
صورت آمد چوں لباس و چوں عصا — جز بعقل وجاں نجنبد نقشها(۲۴)

حضرت ذوالقرنین کوہ قاف کی طرف تشریف لے گئے، انہوں نے ایک پہاڑ دیکھا جو زمرد سے زیادہ صاف تھا

اس احاطہ کرنے والے نے تمام جہاں کے گرد حلقہ کیا ہوا تھا۔ اس وسیع مخلوق کو دیکھ کر آپ حیران رہ گئے

آپ نے فرمایا تو پہاڑ ہے دوسرے کیا ہیں کہ تیری بڑائی کے سامنے کھڑے ہوں

اس نے کہا کہ وہ دوسرے پہاڑ میری رگیں ہیں جو حسن اور قیمت میں میری مثل نہیں ہیں

ہر شہر میں میری رگ چھپی ہوئی ہے۔ دنیا کے کنارے میری رگوں پر بندھے ہوئے ہیں

جب اللہ تعالیٰ کسی شہر میں زلزلہ لانا چاہتا ہے تو مجھے حکم دیتا ہے کہ رگ کو ہلا دے

میں زور سے اس رگ کو ہلا دیتا ہوں جس رگ سے وہ شہر ملا ہوا ہوتا ہے

جب وہ فرماتا ہے کہ بس، تو میری رگ ساکن ہوجاتی ہے، میں بظاہر ساکن ہوں مگر حقیقت میں متحرک ہوں

جیسے کہ مرہم ساکن اور بہت کام کرنے والی ہے۔ جیسے عقل ساکن ہے اور اس کی وجہ سے بات متحرک ہے

جس کی عقل اس کو نہیں سمجھتی اس کے نزدیک زلزلہ زمین کے بخارات کی وجہ سے

سمجھ لے کہ یہ زمین کے بخارات نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس بھاری پہاڑ کی وجہ سے ہے

ایک چھوٹی سی چیونٹی نے کاغذ پر قلم کو دیکھا۔ تو اس نے دوسری چیونٹی سے بھی یہ راز کہہ دیا

کہ اس قلم نے عجیب نقشے کھینچے ہیں، جیسے نازبو، سوسن کا کھیت اور گلاب کا پھول

اس چیونٹی نے کہا اصل میں یہ سارا کام کرنے والی انگلی ہے۔ یہ قلم توعمل میں اس انگلی کے تابع ہے اوراس کا اثر ہے

تیسری چیونٹی نے کہا کہ وہ بازو کی وجہ سے ہے کیونکہ کمزور انگلی نے اپنی طاقت سے یہ نقش و نگار نہیں کیا ہے

بات اسی طرح اوپر چلتی گئی۔ یہاں تک کہ چیونٹیوں کی ایک سردار جو کچھ سمجھدار تھی

اس نے کہا اس کو جسم کا ہنر مت سمجھو کیونکہ وہ تو نینداور موت میں بے خبر ہو جاتا ہے

جسم تو لباس اور لاٹھی کی طرح ہے۔ عقل اور جان کے بغیر یہ نقش نہیں بن سکتے ہیں (۲۵)

فلاسفہ کا کہنا ہے کہ زمین سے بخارات نکلنے کے وقت آپس میں ٹکراتے ہیں تو زلزلہ پیدا ہوتا ہے مولانا روم نے ان اشعار میں ان فلاسفہ کا بھی رد کیا ہے جسے شیخ احمد رضا خان نے مثنوی کی شرح بحرالعلوم کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

بحرالعلوم قدس سرہ فرماتے ہیں:

ایں رد ست بر فلا سفه که میگویند بخارات در زمین محسوس مے شوند بالطبع میل خروج کنند واز مصادمت ایں انجره تفرق اتصال اجزائے زمین مے شود و زمین در حرکت می آید و اینست زلزله، پس مولوی قدس سره رد ایں قول می فرمایند که قیام زمین از کو ھا ست ورنه در حرکت میماند ھمیشه پس آں کوه جنبش مے دھد زمین را بامر اللہ تعالٰی (۲۶)

یہ فلاسفہ پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ بخارات زمین میں محسوس ہوتے ہیں اور طبعی طور پر خروج کی طرف میلان کرتے ہیں۔ چنانچہ ان بخارات کے ٹکراؤ کی وجہ سے زمین کے اجزائے متصلہ میں تفرق پیدا ہوتا ہے اور زمین حرکت کرنے لگتی ہے اور یہی زلزلہ ہے۔ چنانچہ مولوی قدس سرہ اس قول کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زمین کا قیام تو پہاڑوں کے سبب ہے ورنہ یہ مسلسل حرکت کرتی رہتی۔ لہذا وہ پہاڑ اللہ تعالٰی کے حکم سے زمین کو حرکت دیتا ہے۔

شیخ احمد رضا خان مولانا روم کے مؤقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

چیونٹیوں کی حکایت سے بھی ان سفہاء کی تنگ نظری کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جس طرح قلم کی حرکت انگلیوں سے انگلیوں کی قوت بازو سے بازو کی طاقت جان سے ہے تو نقش کہ قلم سے بنتے ہیں جان بناتی

ہے مگر احمق چیونٹیاں اپنی اپنی رسائی کے موافق ان کا فاعل قلم انگلیوں باز وکو سمجھیں، یوں ہی ارادۃ اللہ سے کوہ قاف کی تحریک ہے اس کی تحریک سے بخارات کا نکلنا زمین کا ہلنا ہے۔ یہ احمق چیونٹیاں جنہیں فلسفی یا طبیعی والے کہئے صدمہ بخارات کو سببِ زلزلہ سمجھ لیجئے بلکہ نظر کیجئے تو یہ ان چیونٹیوں سے زیادہ کودن و بدعقل ہیں۔ انہوں نے سبب ظاہری کو سبب سمجھا۔ انہوں نے سبب کے دو مسببوں سے ایک کو دوسرے کا سبب ٹھہرایا۔ وباللہ العصمۃ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم (۲۷)

اصول قوافی وعروض:

شیخ احمد رضا خان چونکہ فن شاعری میں بھی مہارت رکھتے تھے اس لئے عروض وقوافی کے اصولوں پر بھی ان کی گہری نظر تھی ۔فتاویٰ رضویہ میں عروض وقوافی کے حوالہ سے ایک معترض کے اعتراضات کے جوابات میں جو درحقیقت فن شاعری کے اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں شیخ احمد رضا خان نے مولانا روم کے اشعار کو بھی بطور مثال پیش کیا۔ قاعدہ لکھتے ہیں کہ:

۱۔ اختلاف حرکت قافیہ جائز ہے اور اس پر سندیں موجود ہیں (مثال میں مثنوی کے اشعار پیش کئے)

گفت پیغمبر بکن اے رای زن مشورت کالمستشار مؤتمن (۲۸)

کاے خدا افغاں ازیں گرگ کھن گویدش نک وقت آمد صبر کن (۲۹)

۲۔ جمع کے قوافی میں مفرد کا خیال نہ رکھا جائے گا

یا کریم العفو ستار العیوب انتقام از ما مکش اندر ذنوب

پس پیغمبر گفت استفت القلوب گر چہ مفتی تاں بروں گوید خطوب (۳۰)

عیوب وذنوب میں علامت جمع واؤ ہے اس کو علیحدہ کر کے دیکھا جائے تو عیب اور ذنب کا قافیہ نہ بنے گا۔ اسی طرح قلوب وخطوب (۳۱)

صحبت وموالات:

اچھی اور بری صحبت کے اثرات کے بارے میں شیخ احمد رضا خان مولانا روم کی تعلیمات کا حوالہ بھی اپنے فتاویٰ میں دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں: مولوی معنوی قدس سرہ، فرماتے ہیں:

صحبت صالح تراصالح کند صحبت طالح تراطالح کند (۳۲)

دورشواز اختلاط یارِبد یارِبد بدتر ازمارِ بد

مارِ بد تنها همیں بر جاں زند　　　　یارِ بد بر جان و بر ایماں زند[۳۳]

اچھے آدمی کی مجلس تجھے اچھا کردے گی اور برے کی مجلس تجھے برا بنادے گی

جب تک ہو سکے برے ساتھی سے دور رہ کیونکہ برا ساتھی برے سانپ سے بھی برا ہے

کیونکہ برا سانپ صرف جان کو ڈستا ہے جبکہ براساتھی جان وایمان دونوں پر ضرب لگاتا ہے[۳۴]

آدابِ شیخ:

آداب مرشد کے حوالہ سے ایک استفتاء میں مولانا روم کے ان اشعار کے بارے میں بھی شیخ احمد رضا خان سے استفسار کیا گیا

چون گرفتی پیر هیں تسلیم شو　　　　همچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

صبر کن بر کار خضر ای بی نفاق　　　　تا نه گوید خضر رو، هذا فراق[۳۵]

تو شیخ احمد رضا خان نے اس کی تائید وتوثیق کی اور لکھا کہ بغیر توفیق کے پیر کامل کا ایسا ادب کرنا مشکل ہے۔[۳۶]

محبتِ شیخ:

مرشد کامل کی محبت تصوف وطریقت کی اولین اساس ہے اور کتب تصوف میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے مولانا جلال الدین رومی بھی اپنے مرشد حضرت شمس الدین تبریزی سے والہانہ محبت کرتے تھے ان کی زندگی کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا روم کی زندگی میں ان کے مرشد سے زیادہ اہمیت کسی کو حاصل نہ تھی۔ شیخ احمد رضا خان فتاویٰ رضویہ میں مولانا روم کی اپنے مرشد سے محبت کا ایک انوکھا واقعہ ذکر کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں

> ''حضرت مولوی معنوی قدس سرہ شریف کے ایک صاحبزادے نے حضرت شمس تبریز قدس سرہ العزیز کی شان میں گستاخی کی، ان کے مرنے پر مولوی بیٹے کے جنازے میں شریک نہ ہوئے''[۳۷]

شیخ احمد رضا خان اس واقعہ سے یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ اگر اولاد کسی سنگین برائی کی مرتکب ہو اور باپ اس سے تعلق ختم کرلے تو یہ اولاد کی طرف سے قطع رحم ہوگا نہ کہ باپ کی طرف سے۔

ان اقتباسات میں جہاں مولانا روم اور شیخ احمد رضا خان کے افکار میں مماثلت کی جھلک نظر آتی ہے

وہاں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا روم شیخ احمد رضا خان کے لئے ایک معتبر حوالہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔مولانا روم بھی اپنے دور کے مشہور حنفی علماء میں شمار ہوتے تھے انہیں اس زمانہ کے تمام مروجہ علوم میں کامل دستگاہ تھی ،فقہیات میں ان کی وسعت نظر مسلم تھی اور علوم و معارف میں امام کی حیثیت رکھتے تھے،مثنوی معنوی جہاں تصوف کے اسرار و معارف کا خزینہ ہے وہاں علم کلام میں مولانا کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے شیخ احمد رضا خان بھی علم کلام میں مولانا روم سے متاثر نظر آتے ہیں۔مولانا روم کی وسعت علمی کے پیش نظر ہی شیخ احمد رضا خان انہیں ''عمدۃ العلماء والاتقیاء'' کا خطاب دیتے ہیں۔فتاوی رضویہ میں مولانا روم کے یہ حوالہ جات قرآن و حدیث ،فقہ وتفسیر اور فلسفہ وکلام ساتھ ساتھ فن شعر وسخن سے بھی تعلق رکھتے ہیں جو اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ شیخ احمد رضا خان نے علوم کی بیشتر انواع میں مولانا روم کے افکار کو حوالہ بنایا ہے،فتاوی رضویہ کے علاوہ ملفوظات میں بھی شیخ احمد رضا خان نے مولانا روم کے حوالے دیئے ہیں بلکہ شیخ احمد رضا خان کی جملہ تصنیفات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مولانا روم کے تصور عشق سے بھی انہیں یک گونہ نسبت حاصل ہے۔

♦♦♦

حوالہ جات

۱۔ بریلوی،احمد رضا خان،العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ،لاہور،رضا فاؤنڈیشن، ۲۰۰۴ء،۲۱/ ۳۴۲

۲۔ ایضاً،۲۶/ ۵۸۲

۳۔ ایضاً،۳۰/ ۴۶۲

۴۔ رومی،مولانا جلال الدین محمد بلخی،مثنوی معنوی،تہران،انتشارات فرھنگ جامع، ۱۴۳۲ھ،دفتر چہارم،شعر ۱۴۹۰،ص ۵۴۲

۵۔ ایضاً،دفتر اول،شعر ۱۸۶،ص ۶۵

۶۔ ایضاً،دفتر اول،شعر ۱۹۶،ص ۶۶،یہاں پہلا مصرعہ ''سوی شاھنشاہ بردندش بہ ناز'' ہے

۷۔ بریلوی،احمد رضا خان،فتاوی رضویہ،۲۱/ ۳۴۳

۸۔ رومی،جلال الدین محمد بلخی،مثنوی معنوی،دفتر اول،شعر ۲۶۶،ص ۶۸

۹۔ ایضاً،دفتر اول،شعر ۲۶۳،ص ۶۸

۱۰۔ ایضاً،دفتر اول،شعر ۲۶۵،ص ۶۸،یہاں اولیاء کی جگہ انبیاء اور انبیاء کی جگہ اولیاء ہے

۱۱۔ بریلوی،احمد رضا خان،فتاوی رضویہ، ۱۴/ ۶۶۰، ۶۶۳

۱۲۔ رومی،جلال الدین محمد بلخی،مثنوی معنوی،دفتر پنجم،شعر ۱۷۶۷،ص ۶۴۸

۱۳۔ ایضاً،دفتر اول،شعر ۳۰۷۱،ص ۱۶۵

۱۴۔ بریلوی،احمد رضا خان،فتاوی رضویہ،۱۵/ ۵۸۰،دوسرے شعر کا دوسرا مصرعہ فتاوی رضویہ میں غلط ہے مثنوی میں قافیہ میں اختلاف درست نہیں۔

۱۵۔ جامی،نور الدین عبد الرحمن،نفحات الانس من حضرات القدس،تہران،کتاب فروشی محمودی،ص ۳۰۹

۱۶۔ بریلوی،احمد رضا خان،فتاوی رضویہ،۲۹/ ۵۶۱

۱۷۔ رومی،جلال الدین محمد بلخی،مثنوی معنوی،دفتر سوم،شعر ۱۰۱۹،ص ۳۵۹

۱۸۔ بریلوی،احمد رضا خان،فتاوی رضویہ،۹/ ۲۲۷،اس شعر کا حوالہ جلد ۱۵ کے صفحہ ۵۸۱ پر بھی ہے

۱۹۔ ایضاً، ۱۴/ ۶۶۶،اسی مضمون کو جلد ۲۹ کے صفحہ ۶۲۸ پر بھی بیان کیا ہے

۲۰۔ رومی،جلال الدین محمد بلخی،مثنوی معنوی،دفتر اول،شعر ۱۳۶۱،ص ۶۳

۲۱۔ بریلوی،احمد رضا خان،فتاوی رضویہ،۱۵ / ۳۰۶

۲۲۔ رومی،جلال الدین محمد بلخی،مثنوی معنوی،دفتر سوم،شعر ۲۰۸۵،ص ۳۹۶

۲۳۔ بریلوی،احمد رضا خان،فتاوی رضویہ،۶ / ۵۲۰

۲۴۔ رومی،جلال الدین محمد بلخی،مثنوی معنوی،دفتر چہارم،ازشعر ۳۱۱۷،ص ۶۱۹

۲۵۔ بریلوی،احمد رضا خان،فتاوی رضویہ،۲۷ / ۹۷

۲۶۔ بحر العلوم،عبد العلی محمد بن محمد،تفسیر عرفانی مثنوی معنوی، ۴ / ۲۸۹،فتاوی رضویہ میں کسی بھی جگہ شرح بحر العلوم کی تخریج نہیں کی گئی

۲۷۔ بریلوی،احمد رضا خان،فتاوی رضویہ،۲۷ / ۹۸

۲۸۔ رومی،جلال الدین محمد بلخی،مثنوی معنوی،دفتر اول،شعر ۱۰۴۴،ص ۹۵

۲۹۔ ایضاً،دفتر سوم،شعر ۳۰۴،ص ۳۳۸

۳۰۔ ایضاً،دفتر ششم،شعر ۳۸۰،ص ۹۲۷

۳۱۔ بریلوی،احمد رضا خان،فتاوی رضویہ،۲۹ / ۴۹

۳۲۔ رومی،جلال الدین محمد بلخی،مثنوی معنوی،مطبع منشی نول کشور،دفتر اول،ص ۲۲

۳۳۔ ایضاً،دفتر پنجم،ص ۶۷

۳۴۔ بریلوی،احمد رضا خان،فتاوی رضویہ، ۲۴ / ۳۱۸

۳۵۔ رومی،جلال الدین محمد بلخی،مثنوی معنوی،دفتر اول،شعر ۲۹۶۹،ص ۱۶۲

۳۶۔ بریلوی،احمد رضا خان،فتاوی رضویہ،۲۶ / ۵۸۲

۳۷۔ ایضاً، ۲۴ / ۳۴۹

♦♦♦

روئیداد:

ترکی میں منعقدہ پہلا بین الاقوامی امام ربانی سیمپوزیم

پروفیسر محمد اقبال مجددی ☆

رب کریم جل جلالہ نے اپنے خاص بندہ شیخ احمد سرہندی کو اتنی عزت دی کہ آج ان کے محکم افکار و تعلیمات کو ساری دنیا میں پذیرائی مل رہی۔ دنیا کی ہر بڑی یونیورسٹی میں آپ پر پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ آپ کو اللہ پاک نے بروقت خبردار کر کے احیاءِ دین کا ایسا کام لیا کہ آج مسلمان بجا طور پر آپ کو امام ربانی مجدد الف ثانی کہتے ہیں۔

ترک ہمارا برادر مسلم ملک ہے جہاں سلسلۂ نقشبندیہ کا سب سے زیادہ اثر و نفوذ ہوا اور آج بھی بڑے بڑے زاویے اور خانقاہیں اسی سلسلہ کی مصروف کار ہیں۔ ہر بڑی خانقاہ میں مہمان خانہ اور کتب خانہ قابلِ دید ہے۔ عزیز محمود ھدائی وقف فونڈیشن جس میں سیمپوزیم کے بعد ہمیں رکھا گیا تھا چار منزل لائبریری ہے، جہاں بیٹھ کر طلبہ رات گئے تک علمی کام کر سکتے ہیں، اسی فونڈیشن نے ڈاکٹر سید عارف نوشاہی اور مجھ عاجز کی تجویز پر مکتوبات امام ربانی کے جدید تحقیقی فارسی متن کی تیاری اور اشاعت کی ذمہ داری بھی قبول کر لی ہے، جس میں دو پاکستانی اور دو ترکی محققین کو اس کام کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے۔ ہماری تحقیق کے بعد اس کا متن بڑے اہتمام سے یہاں سے شائع ہوگا۔

یہاں استنبول میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کے دو خلفاء بابا حیدر اور حضرت کے مزارات ہیں۔ ان کے علاہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے نامور خلیفہ حضرت شیخ محمد مراد بخاری معصومی

☆ سابق پروفیسر تاریخ، اسلامیہ کالج، لاہور

(۱۰۵۰۔ ۱۱۳۲ھ) کا مزار بھی ہے جو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار شریف کے قریب ہی محلہ نشانچی پاشا میں مرجع خلائق ہے۔ حضرت انصاری کی مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے تمام مندوبین کو حضرت معصومی کے مزار مبارک پر لے جایا گیا، حضرت خواجہ محمد معصوم کے خسر حضرت شیخ صغر احمد رومی بھی اصلاً ترک تھے اور لاہور میں رہتے تھے، ترک حضرات حضرت خواجہ کے بہت ہی معتقد ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ ہمارے داماد تھے، آپ کے مکتوبات اور ملفوظات کا ترکوں نے عثمانی عہد میں ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا آج بھی وہاں بہت سے تکیہ، زاویے اور خانقاہیں، حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے سب سے نامور خلیفہ حضرت مولانا خالد کردی رومی کے خلفاء کی بنائی ہوئی ہیں جو سب کی سب فعال ہیں، اخلاص وقف فاؤنڈیشن بھی خوب سرگرم عمل ہے اس کے مؤسس حضرت حسین حلمی ایشیین بہت ہی دیندار صوفی بزرگ تھے جنہوں نے سلسلۂ نقشبندیہ کی اصل عربی و فارسی کتابیں اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کا وہ ایڈیشن جسے مولانا نور احمد امرتسری مرحوم نے اپنی ساری عمر صرف کر کے مرتب کیا تھا۔ عکسی ایڈیشن شائع کر کے ہزاروں کی تعداد میں دنیا بھر میں بلا قیمت ارسال کیا تھا اور یہ اب تک فی سبیل اللہ اہلِ علم کو دیا جا تا رہا ہے۔ ان کا مرکز بھی استنبول میں ہے، ایک مقام پر ایک نقشبندی مرید نے ہمیں کھانے پر بلایا اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کا ایک مکتوب (۱/ ۱۶۳) پڑھ کر سنایا اور بتایا کہ ہمارے حضرت حسین حلمی نے جب اپنے مشن کا آغاز کیا تو یہی مکتوب پڑھا اور کہا تھا کہ اس کے مطالب سے ہمیں امید ہے کہ ہماری دنیا میں کامیابی ہوگی، چنانچہ اللہ پاک نے انہیں جو ترقی دی وہ دنیا میں مثالی تھی۔

ترکی میں اس بین الاقوامی کانفرنس سے پہلے اور بعد میں بہت سی قومی امام ربانی کانفرنسیں ہوتی ہیں ہمارے اس سیمینار میں حصول برکت کے لیے روضۂ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے خادم سجادہ نشین حضرت محمد یحییٰ کے ایک صاحبزادہ شیخ محمد زبیر سرہندی صاحب کو بھی مدعو کیا گیا تھا جو تین دن کے اجلاسوں میں برابر شریک نظر آئے۔

اس سے پہلے بھی نقشبندی سلسلہ کی کئی بین الاقوامی کانفرنسیں ہو چکی ہیں جن میں سے مئی ۱۹۸۵ء کی ایک روداد مطبوعہ استنبول ۱۹۹۰ء وہاں ہماری نظر سے گزری تھی۔

رب کریم سے دعا ہے کہ ایسی کانفرنسیں دنیا بھر میں اور ہماری مملکت خداداد پاکستان میں بھی منعقد ہوں اور ہمیں ہمارے حضرات کے افکار و تعلیمات کو عام کرنے کی سعادت نصیب ہوتی رہے۔ آمین!

تفصیلات سیمپوزیم:

۱۔ پہلا بین الاقوامی سیمپوزیم امام ربانی، منعقدہ استنبول ۱۵۔۱۷ نومبر ۲۰۱۳ء

۲۔ مندوبین ۳۰ ملکی اوردس غیر ملکی مقالہ نگاران کی شرکت افتتاحی اجلاس ۱۵ نومبر ۲۰۱۳ء بعد نماز جمعہ

جمعہ کی نماز جامع مسجد ملحقہ مزار حضرت ابوایوب انصاری میں ادا کی، اس سے قبل حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے خلیفہ حضرت شیخ محمد مراد بخاری معصومی کے مزار مبارک پر حاضری، افتتاحی کلمات سیمپوزیم کے مہتمم پروفیسر ڈاکٹر سلیمان اولوڈگ شعبہ الٰہیات مرمرا یونیورسٹی اوراسی فیکلٹی کے استاد پروفیسر ڈاکٹر ہری ٹن کرمان نے کہے، شیخ عزیزمحمود ھدای فونڈیشن کے سربراہ نے دعائیہ تقریب میں شرکت کی۔ یہ اجلاس استنبول کے سمندر (Marmara Sea) کے کنارے خالک کنگرہ مرکزی میں ہوا جس کا منظر بہت ہی دل فریب تھا۔

۱۰ نومبر کو اس سیمپوزیم کا دوسرا اجلاس باگلار باسی کلتوں مرکزی میں ہوا۔ جو حضرت امام ربانی کی زندگی کے حالات کے لیے مخصوص تھا۔ اس میں پہلا مقالہ پروفیسر کامل یلماز نے پڑھا، دوسرا ڈاکٹر احمد سمیر گل اور تیسرا مقالہ ڈاکٹر نجدت طوسون نے آپ کی مبارک زندگی کے بارے میں بتایا۔ یہ وہی سکالر ہیں جنہوں نے حضرت بہاء الدین نقشبند بخاری پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے کا اعزاز حاصل کیا اور حضرت امام ربانی کے تین فارسی رسائل کا جدید ترکی میں ترجمہ کر کے شائع کروا چکے ہیں۔

ان کے بعد اٹلی کے پروفیسر ڈاکٹر انگلوسکارابل نے حدائق الوردیہ میں حضرت امام ربانی پر مواد مقالہ کی صورت میں پیش کیا۔ پھر استنبول یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ریاست اونگورین نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ شیخ تاج الدین بن زکریا سنبھلی پر تعارفی مقالہ پڑھا۔ اس کانفرنس کا تیسرا اجلاس آج ساڑھے گیارہ بجے شروع ہوا جو آپ کی تصانیف اور افکار کے لیے مخصوص تھا۔

پہلا مقالہ ڈاکٹر مصطفی اسکر نے پڑھا جو مرمرا یونیورسٹی، استنبول کے شعبۂ الٰہیات میں پروفیسر ہیں، دوسرا مقالہ پروفیسر رمضان ریاولی (مرمرا یونیورسٹی) نے حضرت کے رسالہ اثبات النبوت کی اہمیت پر مقالہ پیش کیا۔ اسی سیشن میں پاکستان کے نامور محقق ڈاکٹر عارف نوشاہی نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے جدید ایڈیشن پر ایک مقالہ پڑھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالرحمن میمس نے مستقیم زادہ سعد الدین سلیمان کے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے ترکی ترجمہ پر تعارفی مضمون پیش کیا، اس سیشن کا آخری مقالہ مفتی یوکسل

نے امام ربانی کے رسالہ مبدا و معاد پر اپنا مقالہ سنایا۔

اس سیمپوزیم کے چوتھے سیشن کا تعلق حضرت مجدد الف ثانی کی خدمات سے تھا، پہلا مقالہ میں مرمرا یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر صفی ار پاگس نے آپ کی دینی خدمات بیان کیں۔ دوسرا مقالہ اسی یونیورسٹی کے پروفیسر عبدالحکیم یوسی کا تھا جنہوں نے احیاءِ سنت میں مجدد الف ثانی کے کردار پر مقالہ پڑھا۔ تیسرا مقالہ اٹلی کے نامور مستشرق مٹر یوجیور ڈانی نے امام ربانی کی تعلیمات کی روشنی میں التزام شریعت پر اپنا مقالہ پڑھا، اٹلی کے یہ نومسلم حضرت ابوالحسن زید فاروقی کے مرید ہیں اور مقامات مظہری کا اٹلی زبان میں ترجمہ بھی شائع کر چکے ہیں۔ چوتھا مقالہ مرمرا یونیورسٹی کے پروفیسر عمر سیلک کا تھا جنہوں نے امام ربانی کی قرآن فہمی پر بھر پور طریقہ سے تاثرات دیے۔

آخری مقالہ اس سیمپوزیم کے مہتمم پروفیسر سلیمان ڈرین کا تھا جس کا موضوع امام ربانی کے پیش کردہ ''تصوف کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے۔''

اس کانفرنس کا پانچواں اجلاس کھانے کے وقفہ کے بعد شروع ہوا۔ پروفیسر آف مرمرا یونیورسٹی ڈاکٹر مصطفی نے اس سیشن کا موضوع اور اس کی اہمیت واضح کی کہ اس کا تعلق حضرت مجدد الف ثانی کے تصوف کی ماہیت کا جائزہ لینا ہے۔

پہلا مقالہ نیوزی لینڈ کی یونیورسٹی آف وکٹوریہ کے پروفیسر ڈاکٹر آرتھر بیولر نے Meta-Principles آف صوفی ازم یعنی ہم حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں سے اسے کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ کے موضوع پر تھا، پروفیسر موصوف نومسلم، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور گزشتہ سال حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ انہوں نے برصغیر پاک وہند کے نقشبندی سلسلہ پر امریکہ سے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی ہے اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کی آٹھ قسم کی فہارس مرتب کرنے کا اعزاز بھی حاصل کیا ہے۔ آٹھ سال کی محنت شاقہ سے انہوں نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی میں سے صرف ان مکاتیب کا انتخاب اور انگریزی ترجمہ پیش کیا ہے جن کا تعلق فقہی اور اجتہادی مسائل سے ہے، یہاں بھی ان کا مقالہ خاصا فکر انگیز تھا۔

تیسرا مقالہ کشمنو یونیورسٹی کے شعبہ الٰہیات کے پروفیسر ڈاکٹر دلاور سیلوی کا تھا جس میں انہوں نے مکتوبات امام ربانی اور آپ کے رسائل کا جائزہ لیا ہے۔

چوتھا مقالہ راقم عاجز محمد اقبال مجددی کا تھا جس میں حضرت مجدد الف ثانی کے نظریۂ وحدت الشہود اور اس کے تصوف اسلامی پر اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

پانچواں مقالہ مرمرا یونیورسٹی استنبول کے شعبۂ حقوق کے پروفیسر ڈاکٹر اکرم بغرا ایکنسی کا تھا جس میں انہوں نے امام ربانی کی تجدید اور مجددیت کی اہمیت پر روشنی ڈالی تھی۔ چھٹا مقالہ اسی یونیورسٹی کے پروفیسر اکرم ڈیرلی کا تھا جس میں انہوں نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے ان نظریات کا تجزیہ کیا ہے۔

۱۷/نومبر ۲۰۱۳ء

آج اس عظیم الشان سیمپوزیم کا آخری دن ہے۔

اس کا آغاز صبح دس بجے ہوا، اس سیشن کے صدر پروفیسر ڈاکٹر رمضان روسولو نے واضح کیا کہ اس اجلاس میں حضرت امام ربانی کی علمی خدمات پر مقالات پڑھے جائیں گے۔

پہلا مقالہ احمد محمدی یلدرم کا تھا جس میں انہوں نے مکتوبات امام ربانی میں فقہی مسائل کا تجزیہ کیا ہے۔

دوسرا مقالہ طلحہ ہاکن الپ کا تھا جس میں آپ کے علم کلام پر مباحث بیان کیے گئے ہیں۔

تیسرا مقالہ محمود الدین کا تھا جس میں انہوں نے مکتوبات امام ربانی پر کلام کیا۔ اگلا مقالہ نعمت اللہ ارواس کا تھا یہ بھی مکتوبات کے سلسلہ کا ایک اہم مقالہ تھا۔

اس سیشن کا آخری مقالہ یعقوب ڈکرے کا تھا جو ملائشیا سے تشریف لائے اور عربی میں اپنا مقالہ ''الامام الربانی حیاتہ وتصوفہ وجھودہ العلمیۃ والدینیۃ'' کے عنوان سے تھا آخر میں انہوں نے امام ربانی کی منقبت میں ایک عربی قصیدہ بھی پڑھا۔

اس سیشن کا دوسرا حصہ چائے کے وقفہ کے بعد شروع ہوا۔ اس کے صدر نشین ڈاکٹر مصطفی کارا الوگڈ یونیورسٹی کے تھے انہوں نے بتایا کہ اس سیشن کے مقالات حضرت امام ربانی کے اناڈولو میں اثرات پر مقالات پڑھے جائیں گے۔

اس کا پہلا مقالہ پروفیسر یعقوب سیسک نے تبیان الوسائل اور امام ربانی کے تعلق پر تھا پڑھا۔

دوسرا مقالہ ڈاکٹر خلیل ابراہیم سیسک (Hitit Unity) کا تھا جس میں انہوں نے اناڈولو میں نقشبندی تاثرات کا جائزہ لیا تھا۔

تیسرا مقالہ ڈاکٹر نجدت ولماز کا تھا جس میں انہوں نے بڑی مہارت سے اناڈولو کے ایک عالم کا معمولات مظہریہ کے ترکی ترجمہ کا تعارف کروایا۔

کھانے کے وقفہ کے بعد اگلا سیشن شروع ہوا، اس کے صدر نشین پروفیسر محمد امین آئے تھے جو بروسہ

کے مفتی اعظم تھے۔

پہلا مقالہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے پروفیسر معین نظامی صاحب کا تھا جو طبیعت کی خرابی کے باعث تشریف نہ لاسکے۔

دوسرا مقالہ مقدونیہ یونیورسٹی کے پروفیسر متین عربی کا تھا جس میں انہوں نے بلقان میں امام ربانی کی تعلیمات کے اثرات کا جائزہ لیا۔

تیسرا مقالہ اوزبکستان کے ایک استاد پروفیسر ڈاکٹر سیف الدین سفید وف کا تھا جس میں انہوں نے امام ربانی کے وسطی ایشیا کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے دھبید کے مشہور نقشبندی شیخ طریقت شیخ موسیٰ خان دھبیدی (فیض یافتہ شیخ محمد عابد سنامی وحضرت میرزا مظہر جان جانان) پر تفصیلی مقالہ پڑھا۔

چوتھا مقالہ آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ مخطوطات کے انچارج ڈاکٹر طیب سجاد اصغر (عطاءخورشید) کا تھا جس میں انہوں نے ہندوستان میں آغاز مطبع سے ۱۹۴۷ء تک حضرت مجدد الف ثانی کی تالیفات ورسائل کے مختلف ایڈیشنوں کا تعارف کروایا، موصوف نے اپنے مقالہ میں ان کی مطبوعات کی عکسی تصاویر بھی سفید بورڈ پر دکھائیں۔ انہوں نے اپنے مقالہ میں راقم عاجز کو اعزاز بخشتے ہوئے میرا نام لے کر فرمایا کہ اُسے علی گڑھ میں محفوظ ایک خطی نسخہ مختصر بغر دیعنی الجنات الثمانیہ تالیف شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی (ز ۱۱۲۶ھ) مرتب کر کے شائع کرنی چاہیے، اس کے بعد راقم نے کھانے کی میز پر ان کی اس توجہ دلانے پر تشکر مسنون کے طور پر عرض کیا کہ اس کا عربی متن اور پھر اردو ترجمہ پاکستان سے شائع ہو چکے ہیں، جس پر موصوف نے خوشی کا اظہار کیا۔

آخر میں ایرڈل سیفٹی جو سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مندوبین اور سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اجلاس کے اختتام کا اعلان کیا۔

نماز عصر کے بعد آخری سیشن ہوا جس میں صدارت کے فرائض پروفیسر ڈاکٹر عرفان گھنڈوز نے ادا کرتے ہوئے کہا کہ اس میں ہم تمام اجلاسوں کے بارے میں مندوبین کے تاثرات اور آراء لیں گے۔

اس سیشن میں مرمرا یونیورسٹی، استنبول کے تین استادوں اور مجھ عاجز کے تاثرات لیے گئے، راقم نے سٹیج پر بیٹھ کر اپنے تاثرات کا اظہار کیا کہ:

ہم پاکستان کی طرف سے حکومت ترکی، مرمرا یونیورسٹی، عزیز محمود ھدائی فونڈیشن کے تعاون سے اس پہلے امام ربانی بین الاقوامی سیمپوزیم کے انعقاد پر مبارک باد پیش کرتے ہیں اور تجویز کے طور پر کہتے ہیں کہ

ترکی میں مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کا ایک انتقادی فارسی متن جدید تحقیقی اصولوں کے مطابق ریڈیٹ کروا کر شائع کیا جائے اور اس سلسلہ میں ڈاکٹر عارف نوشاہی کے مقالہ میں پیش کردہ تجویز سے مکمل اتفاق کرتے ہیں۔ہم یہ بھی تجویز کرتے ہیں کہ اس بین الاقوامی کانفرنس کی زبان ترکی کی بجائے کوئی بین الاقوامی طور پر سمجھی جانے والی زبان اختیار کی جاتی تو نتائج زیادہ بہتر ہوتے۔ہم نے ایک تجویز یہ بھی پیش کی کہ تمام مقالات انگریزی تراجم سمیت روداد کی شکل میں شائع کیے جائیں۔آخر میں صدر مجلس نے یہ تمام تجاویز قبول کر لیں۔

♦♦♦

التصوف فی الإسلام نشأته وتطوره

الدكتور ثناءالله الأزهري*

Abstract:

This article relates the Islamic Tasawwuf in the light of islamic references and aimed to know how it has been going through an evolutionary process. The article is puting on this phenomenon in each century of the islamic calender. Starting from the Prophetic era ending in the current period. It also show that Sufi'ism started at sepprate phenomenon and later on it became an indipendent movement. A lot of books have been written on Sufi'ism having its specific terminology.

Key Words:

Refferences, Evolutionary, Process, Phenomenon, Calender, Prophetic, Era, Movement, Terminologies.

في هذا البحث يذكر الباحث مراحل النشأة والتطور للفكر الصوفي الإسلامي عبر أربعة عشر قرنا بالاختصار مشيرا إلى المراحل الخمسة من فجر الإسلام إلى اليوم.

المرحلة الأولى:

التصوف الإسلامي من ظهور الإسلام إلى القرن الرابع للهجرة.

١۔ التصوف الإسلامي و مشابهته بالعلوم الإسلامية الأخرى:

*الاستاذ المساعد، القسم العربی، الجامعة الاسلامية العالمية، اسلام آباد

فی الحقیقة إذا أراد أحدمنا أن يبحث عن التصوف الإسلامی في عصر صدر الإسلام كعلم بقواعده وأصوله وهيئته وشكله المتعارف عند المسلمين في العصر الحديث فلا يحصل عليه وشأنه في ذلك كسائر العلوم الإسلامية المنبثقة من القرآن الكريم والحديث الشريف مثل التوحيد والفقه وأصول الفقه والحديث والبلاغة والنحو والصرف والمنطق وغير ذلك.

۲۔ كان التصوف الإسلامي عبارة عن الالتزام والتمسك بالكتاب والسنَة في أوائل عصوره:

إن التصوف الإسلامي كان في شكل بسيط في أوائل عصور الإسلام ولم يكن يظهر بوسعة الفروع الفكرية والعملية كما نشاهده اليوم حيث أصبح علما مستقلا له أصول و قواعد و أسس و كيان و خصائص و ميزات و منهج و مقومات بين سائر العلوم الإسلامية الأخرى أما بساطته في العصور الأولى عندما نبحث عن أسبابها و عواملها و دوافعها و حالتها فيعلّل ذلك كله الدكتور عبد المنعم خفاجی قائلا:

> " إن في هذه الفترة من الزمن كان معظم المسلمين أصحاب دين وتقوى وزهد والإسلام كان على شكل بسيط والمسلمون كذلك حيث لم تكن هناك حاجة إلى أن يكون إسما خاصًا لتمييزهم بعضهم عن بعض وإنما كانت هناك جماعة من أفاضل المسلمين الذين أدركوا صحبة النبی فسمّوا لذلك بالصحابة وكانوا يتشرفون باسم صحابی ثم سمی من جاء بعد هذا الرعيل بالتابعين". (۱)

۳۔ الجمع بين الدين والواجبات الاجتماعية:

نجد في حياتهم صورة لهذه الآية القرآنية: "وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ". (۲)

> " إنهم كانوا يدبرون أمور معاشهم ويؤدون فرائضهم الدينية والاجتماعية ويحاولون لإيجاد أحوال أحسن وأفضل استقرارا وأمنا في المجتمع

الإسلامی والدین الإسلامی کما أشرنا من قبل , قام علی أساس الترغیب والترهیب فکما یبشر الصالح بنعیم الجنة کذلك ینذر الطالح بیوم الحساب وعذاب الجحیم وکان الخوف أهم عامل في حیاة المسلم الدینیة في القرن الأول ، الخوف من المعصیة ، الخوف من نار جهنم المذکورة بقول الله عزوجل : " وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ "(۳) ، وهذه المقدمات تدفع الإنسان قطعا وقهرا إلی التسلیم الکامل لإرادة الله عز وجل هذا ما یعد في نظرنا بدایة التصوف وتأصیله في النفس وهذه القصة أقدم صور التصوف الإسلامی ".(۴)

یظهر من ذلك أن التصوف الإسلامی فی صدر الإسلام کان عبارة عن الالتزام والتمسك بالکتاب والسنة والجمع بین الدین والدنیا.

القرن الثانی:

۴۔ القوة المعنویة العالیة والتمسك بقدرة الله تعالی:

" یروی أن الحسن البصری ومالك بن دینار وشقیقًا البلخی ذهب کلّهم ذات یوم إلی السیدة رابعة المتوفیة في السنة الخامسة والثمانین من القرن الثانی للهجرة وکانت مریضة فقال الحسن البصری : لیس بصادق في دعواه من لم یصبر علی ضرب مولاه فقالت رابعة یشم من هذا الکلام رائحة الأنانیة فقال شقیق : لیس بصادق في دعواه من لم یشکر علی ضرب مولاه فقالت رابعة : یجب أن یکون أحسن من هذا ، فقال مالك بن دینار : لیس بصادق في دعواه من لم یتلذذ بضرب مولاه ، فقالت رابعة بل یجب أن یقال أحسن من هذا فقالوا له تکلمی أنتِ فقالت : لیس بصادق في دعواه من لم ینس الضرب في مشاهدة مولاه ولیس ذلك بعجیب لأن نساء مصر لم یشعرن بالألم عند مشاهدة المخلوق فلو کان شخص بهذه الصفة من الاستغراق عند مشاهدة الخالق لم یکن هذا بدعا من الأمر ".(۵)

۵۔ التمکین والإلتزام الشدید بعقیدة التوحید:

إنّ قول السیدة الرابعة صورة رائعة من التمکین و قوة معنویة والتمسك بعقیدة

التوحيد كما يدل على أن التصوف فى هذا العهد إنما هو استمرار لحياة زهاد القرن الأول الإسلامى وسلوكهم بطريقة أكثر مبالغة في الزهد والاعتكاف وتحمل المشاق والتوكل والرياضة والقناعة وأمثال ذلك — وإذا دققنا النظر في مجرى حياة الصوفية لهذا العهد وتأملنا أقوالهم رأينا أنه لا يوجد لهم أى كلام عن عناصر العرفان والحقيقة ولا يوجد لهم من الأقوال الأساسية كالقبض والبسط بأسلوب صريح.

القرن الثالث:

٦ـ التوسع والتدقيق والتعميق في المعاني الصوفية:

" أما في القرن الثالث فظهر التصوف في صورة تختلف عما كان عليها في القرن الثانى أى تنظيم التعاليم الدينية التي كان لها وجود بالفعل قبل هذا الشكل من التصوف والتوسع والتدقيق في معانيها وتقعيد وتنظيم رسوم الطريق الصوفى فإننا نلمحهما واضحين في أقوال مشائخ ذلك العصر أينما قرأنا . فإنهم قسموا الطريق إلى سلسلة من المراحل بل ميزوا بين أنواع مختلفة من الطرق يقول يحيى بن معاذ الرازى(٦) المتوفى في السنة الثالثة من الهجرة النبوية على صاحبها الصلوة و السلام : إذا رأيت الرجل يعمل الطيبات فاعلم أن طريقه التقوى، وإذا رأيته يحدّث بآيات الله عز وجل فاعلم أنه على طريق الأبدال، وإذا رأيته يحدّث بآلاء الله عز وجل فاعلم أنه على طريق المحبين، وإذا رأيته عاكفا على ذكر الله عز وجل فاعلم أنه على طريق العارفين". (٧)

نرى فى هذا القول ألفاظا جديدة من الأبدال والمحب والعارف بالله عز وجل التى تشير إلى مقامات العبد فى التقوى عند الله عز وجل.

٧ـ نشأة المصطلحات الصوفية في الأدب العربي:

"كان الصوفى الفارسى أبو يزيد البسطامى أول من استعمل كلمة للفناء فى معناها الصوفى الدقيق ومنهم أبو حمزة محمد بن إبراهيم الصوفى البغدادى المتوفى في السنة التاسعة والستين من القرن الثالث للهجرة فقد كان أول من تكلم في اصطلاحات الصوفية من صفاء الذكر وجمع الهمة والمحبة والقرب والأنس والبسط والقبض يقول سهل بن

عبد الله التستری بنيت أصول مذهبنا على ست : التمسك بكتاب الله عز وجل و الاقتداء بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وأكل الحلال وعدم ايذاء الخلق وإن آذونا و البعد عما نهى الله عز وجل عنه و التعجيل بالحقوق ". (٨)

٨۔ التوفيق و التطبيق بين معاني التصوف و المصادر الإسلامية:

نرى أنه لم يستعمل هؤ لاء الصوفية في القرن الثالث لغة وحدة الوجود في غير تحفظ بل جعلو ا التوفيق فی التصوف وتعاليم الإسلام وعدم تغليب الحقيقة على الشريعة أو يمكن القول إجمالاً بأن صوفية هذا العصر قد اتخذوا القرآن و السنّة ميزانا لجميع ما يخوضون فيه من بحوث نظرية وما يحسونه من حالات وجدانية. وكانت نتيجة ذلك أنهم عنو بوجه خاص بناحية الزهد و العبادة و الناحية الأخلاقية في التصوف.

القرن الرابع:

٩۔ نشأة المصطلح الصوفي "وحدة الوجود" و بداية الطرق الصوفية:

"إن شيوع أفكار وحدة الوجود في هذا العصر أفاد أن الهدف الوحيد للصوفية هو " الاتصال بالله عز وجل "ليس إلا ولم يعطوا أهمية لأي أمر آخر غير هذا الغرض السامی وكما أن أثر التصوف كان يبدو بصورة خاصة في الأشخاص أی في حين أن كل فرق التصوف كانت تجمعها أصول مشتركة كما إن الصوفية في هذا القرن سلكوا مسلكا حزبيا وأصبحوا طبقة خاصة أی أصبحت لهم خصوصيات حزبية ومقررات ورسوم وآداب طائفية ودخلت كل طائفة تحت رعاية شيخ ومرشد وقطب وكان الشيخ هو المرشد ذا سلطة كاملة على مريديه يراقب أعمالهم ويحث كل شخص على الطاعة وكانت للأحزاب والفرق المختلفة من الصوفية طرق متنوعة في السير والسلوك ومع أن الصوفية كانوا يهدفون إلى شيء واحد هو الاتصال بالله عز وجل فقد كانت كل طائفة ترى لنفسها طريقا خاصاً للوصول إلى هذا الغرض المشترك وأن وجود الخانقاوات للمرة الأولى كان نتيجة لهذه الأذواق المختلفة فی القرن الرابع". (٩)

والخلاصة أن الناحية النظرية للتصوف صارت أكثر أهمية وتغلبت على الناحية

العملية في هذا العصر.

١٠ ـ بساطة الشعر الصوفي ووضوحه:

"إن الشعر الصوفى في القرن الرابع كان بسيطا خاليا من التصنع والتكلف وتزويقات القرون التالية له، وكان قريبا من الفهم سلسا بحيث كان يجعل القارى يتعرف جمال الطبيعة لفرط بساطته أحيانا كما أن الشعر الصوفى في ذلك الوقت كان يتلاءم مع الطبع والفكر ويقرب لإدراك المتكلم بالفارسية وله ذوق سليم لأنه كان خلوا من المعانى المجازية التمثيلية والاستعارات والكتابات الإشراقية والعرفانية".(١٠)

هذا يشير إلى أن الشعر الصوفى فى القرن الرابع للهجرة لم يكن يصعب على فهم الناس له وإدراك معانيه إلى درجة ما كان فى العصور التالية.

المرحلة الثانية:

التصوف الإسلامى من القرن الخامس إلى القرن الثامن للهجرة.

القرن الخامس:

١١ ـ التصوف الإسلامي شرح معتدل للإسلام:

صوفية القرن الخامس نذكر بعضهم مثل أبى القاسم القشيرى المتوفى فى السنة الخامسة والستين من القرن الخامس للهجرة العارف المعتدل أي البعيد عن الإفراط والتفريط ومن تعتبر آراؤه وأفكاره في رسالته المسماة بالقشيرية الصادرة في السنة السابعة والثلاثين من القرن الخامس للهجرة مثالا للاعتدال والقصد وحجة الإسلام الغزالى الصوفى المتوفى في السنة الخامسة من القرن السادس هو أحد أهل الظاهر والمتشرعة وكلامه رغم إحاطته العلمية أشبه بمقولات الفقهاء وأصحاب الفتاوى.

"شيخ الإسلام أحمد الجامى أحد صوفية أواخر القرن الخامس وأوائل القرن السادس الذي كان يرى أن الطريقة هي عبادة عن دفع المذنبين إلى التوبة والأمر بالمعروف والنهى عن المنكر".(١١)

يتضح لنا من هذا أن الأمر بالمعرف والنهى عن المنكر الذى أمر به الإسلام كان

شعار الصوفية هذا القرن.

"وقد خرج من بغداد خلال هذه الفترة الديوان الشعرى الوحيد—فيما نعلم — الذى اقتصر على الشعر الصوفى وهو للحلاج الذى لم يكتف ببعض المقطوعات فى الحب والسلوك والمعرفة، كما فعل كثير من الشيوخ، وكان بهذا إرهاصا بما ستزخر به الساحة من شعر صوفى فى المرحلة التالية.(۱۲)

۱۲۔ازدياد الشعر الصوفي وكثرته:

والنقطة التي تسترعى النظر هي أن التصوف والعرفان في القرن الخامس أخذا يزدادان توسعا وعمقا في الشعر يوما بعد يوم بحيث ظهرت جماعة من الشعراء واستعملوا المعاني التي كانت غير متعارفة في ساحة الأدب الصوفي من قبل.

القرن السادس:

۱۳۔ظهور أعلام التصوف الإسلامي ذوو امكانة عالية في المجتمع:

وكان المتصوفة في هذا القرن موضعا لاحترام أغلب الناس وتكريمهم ومن أبرزهم الشيخ عبد القادر الجيلاني المتوفى في السنة الحادية والستين من القرن السادس للهجرة "صاحب أول طريقة منظمة مستمرة حتى اليوم"(۱۳)، والشيخ أحمد الرفاعي المتوفى في السنة الثامنة والسبعين من القرن السادس للهجرة.

۱۴۔التقريب بين المذاهب والصلح العام بين طوائف المسلمين:

ومن سمات التصوف في القرن السادس أن العصبية المذهبية الشائعة آنذاك والحروب والمنازعات والمجادلات التي كانت تدور بين الفرق المختلفة دفعت المفكرين إلى الأخذ بمبادئ السلام وفكرة توحيد المذاهب والصلح العام لمقاومة الخلافات المذهبية، ومن الواضح أن كبار الصوفية كانوا بعيدين عن تعصب أهل الظاهر وتزمتهم وتشددهم وأن مذهب التصوف منذ أمد بعيد كان قد صار على يد جماعة من أهل الحال مذهبًا للعشق والمحبة وطريقة للسلام والوئام وكانت عقيدة " وحدة الوجود الخاصة بالصوفية غير الفلاسفة والملاحدة" التي تعد أهم موضوعات التصوف والعرفان

أكثر استعدادًا لإبراز هذه الأفكار و الميول". (۱۴)

هذا يدل على أن التصوف فى القرن السادس للهجرة كان يتمثل الفكر الإسلامى المعتدل كما أنه كان يمتاز بسماحة الإسلام و الرحمة و المحبة و التآلف بين قلوب الناس لذلك إن الصوفية كانوا موضع الاحترم و التقدير بينهم.

القرن السابع:

۱۵ ۔نشأة التصوف الفلسفي و علم العرفان في الدراسات الصوفية:

تصوف القرن السابع امتداد لتصوف القرنين الخامس و السادس الذي بلغ درجة النضج و الكمال بظهور كبار العارفين و لا سيما الشيخ محى الدين ابن عربى المتوفى في السنة الثامنة و الثلاثين من القرن السابع للهجرة و جلال الدين الرومى المتوفى في السنة الثانية و السبعين من القرن السابع.

" انطبع التصوف بطابع العلوم و الأبحاث الفلسفية و ظهر بمظهر آخر في العلوم الدراسية و معنى ذلك أن التصوف الذي يمكن تسميته علم العرفان أو التصوف الفلسفى قد دخل في حوزة العلوم الرسمية متمشيا مع سائر الدراسات الخاصة بذلك العهد كالفلسفة و علم الكلام و أحرز لنفسه منزلة بينها و إن كتاب فصوص الحكم لابن عربى و كتب أخرى من مثل لمعات للشيخ العراقى و ديوان قصائد بن الفارض، أصبحت كتب تعليمية منذ أواخر هذا القرن و اشتغل جماعة بتعليمها و تدريسها و قد أضاف أفاضل الصوفية شروحا و تعليقا عليها". (۱۵)

هذا دليل على أن التصوف فى هذا القرن أصبح علما مستقلا لفهم النظام الروحى الإسلامى كما أن الفكر الصوفي برز في الساحة العلمية و الأدبية في الشعر و النثر و أثّرت هذه الدراسات الصوفية في حياة المسلمين و المناهج الدراسية و العلماء و الصلحاء و أصحاب الفكر الروحي للإسلام.

القرن الثامن:

۱۶ ۔تعليم آداب النظام الإسلامي الصوفي الروحي:

الشیخ محمد بهاء الدین النقشبندی هو أحد أعلام الصوفیة الأفذاذ المتربعین علی قمة الوصول فی القرن الثامن الهجری و کان مولده في شهر المحرم فی السنة السابعة عشر من القرن الثامن للهجرة. (١٦)

یقول الشیخ بهاء الدین: "الطریق إلی الله عزوجل له ثلاثة آداب، أدب مع الله عزوجل وهو أن یکون المرید في الظاهر والباطن مستکملا للعبودیة بامتثال الأوامر واجتناب النواهی معرضا عن سواه بالکلیة، وأدب مع رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو أن یستغرق في مقام" فاتبعونی(١٧)"، ویراعی ذلك في جمیع الأحوال وجوبًا وأدب مع المشائخ وهو لازم للطالبین لأنهم سبب في متابعته(١٨)".

١٧ ـ الدعوة إلی التحلّي بالأخلاق العالیة والسّفر لها.

ففي ضوء ما سبق ذکره من قول الشیخ محمد بهاء الدین نلاحظ أن التصوف الإسلامی کان یدعو إلی التحلی بأخلاق إسلامیة فی هذا القرن کما أن التصوف ینمو قرنا بعد آخر ویقع الفرق بین کل حقبة وأخری والصوفیة کانوا یرحلون من بلد إلی بلد آخر لیتلقوا العلم وآداب السلوك الروحی وکانوا یصحبون الصوفیة الکبار والأساتذة لمدة طویلة لتهذیب نفوسهم وتزکیة أرواحهم عن طریق العبادة والریاضة الدینیة والتقوی والورع وهدفهم الأول والأخیر کان الوصول إلی رضاء الله عزوجل للفوز والفلاح في الدارین کما أرشدنا دیننا الحنیف أن نطلب فیما نفعل من خیر، القبول عند الله عزوجل.

المرحلة الثالثة:

التصوف الإسلامی من القرن التاسع إلی القرن الثانی عشر للهجرة

القرن التاسع:

١٨ ـ قبول عام للفکر الصوفي علی المستوی الشعبي:

بعدما تصفحنا أوراق التاریخ اطلعنا علی أن صوفیة القرن التاسع کانوا یحظون بمنزلة رفیعة ومرتبة سامیة في المجتمع علی المستوی الشعبی والمستوی القیادی معا أما المستوی الشعبی فمعروف أن الصوفیة یحبون الفقراء ویفرحون بخدمتهم وکذلك

اصطحابهم في الطريق إلى الله عز وجل يتبادلون معهم الحب والمودة بحضور حلقاتهم العلمية الدينية في جميع العصور من التاريخ الإسلامي.

١٩ ـ احترام التصوف على المستوى الملكي:

أما المستوى الملكي واحترام الصوفية في القرن التاسع فتوضح لنا العبارة التالية عن الصوفي الكبير الشيخ سلطان محمد الحنفي المصري المتوفى في السنة السابعة والأربعين من القرن التاسع للهجرة.

" والله ما سمعنا ولا رأينا فيما حويناه من كتبنا وكتب غيرنا ولا فيما اطلعنا عليه من أخبار الشيوخ والعباد والأستاذين بعد الصحابة إلى يومنا هذا أن أحدا اعطى من العز والرفعة والكلمة النافذة والشفاعة المقبوله عند الملوك والأمراء وأرباب الدولة والوزراء عند من يعرفه ومن لا يعرفه مثلما أعطى الشيخ شمس الدين الحنفي وأبلغ من ذلك أنه لو طلب السلطان برقوق أن ينزل إليه خاضعا حتى يجلس بين يديه ويقبل يديه لكان ذلك اليوم أحب الأيام إلى السلطان فرج بن برقوق". (١٩)

٢٠ ـ منزلة الصوفية العلمية الكبيرة:

وفيما يتعلق بمنزلتهم العلمية في هذا القرن يظهر لنا أن الصوفية في هذه الفترة من الزمن كانوا على أعلى مستوى علمي حيث يقول الشيخ جلال الدين البلقيني.

" لقد حضر يومًا مجلس الصوفي الكبير السلطان محمد الحنفي وسمع تفسير الشيخ للقرآن الكريم فقال والله طالعت أربعين تفسيرا للقرآن الكريم ما رأيت فيها من هذه الفوائد التي ذكرها الشيخ محمد الحنفي — رحمه الله —. (٢٠)

القرن العاشر:

٢١ ـ جهود جبّارة وخدمات متميّزة في سبيل نشر الدين:

التصوف في هذا القرن كان معروفا ببروز شخصيات علمية بالغة على أرقى مستوى من الوعي الديني والطريق الروحي حيث أدّت دورا هاما في المجتمع الإسلامي في سبيل

خدمة العلم والدين وتربية أفراده وإن كانوا يتحملون المشقة والصعوبات في تأدية هذه الرسالة السامية ولكنهم استمروا بكل عزم وإرادة لاستكمال المسيرة الإصلاحية الروحية الإسلامية ابتغاء وجه الله عزوجل وتركوا لنا ثروة علمية هائلة وقدوة حسنة لكى نستفيد منها في تنوير قلوبنا وأرواحنا وتحديد مصيرنا العلمي والعملي في هذه الدنيا.

۲۲۔ شخصيات التصوف الموسوعية:

منهم الإمام السيوطى المتوفى فى السنة الحادية عشر من القرن العاشر والشيخ الشعرانى المتوفى فى السنة الثالثة والسبعين من القرن العاشر يذكر صاحب المناقب الكبرى:

> "إن مؤلفات الإمام الشعرانى جاوزت ثلاثمائة كتاب في مختلف العلوم من تفسير وحديث وطب ولغة وتصوف وفقه في مختلف المذاهب وبعض هذه المؤلفات يقع في خمسة مجلدات ومن أشهر مؤلفاته الطبقات الكبرى، والميزان في الفقه المقارن، واليواقيت والجواهر في بيان عقائد الأكابر ولوامع الأنوار القدسية في بيان العهود المحمدية ولطائف المنن وإلى غير ذلك". (۲۱)

۲۳۔ التأكيد على العمل بالأسس والدعائم القوية للتصوف:

كان التصوف يمثل الجانب الأعم في شخصيته التي تبرز لنا أن التصوف في هذا القرن كان قائمًا على أسس و دعائم قوية من العمل بالشريعة المحمدية على من جاء بها الصلوات والسلام والتخلق بها وهذا بالطبع يستلزم الإحاطة الدقيقة بالعلوم الشرعية والإلمام بأصولها وفروعها حتى يمكن أن تطبق سلوكا عمليا ومن ثم تفضى العبادة بالعابد إلى المعبود سبحانه وتعالى وهذا حقيقة التصوف الإسلامى.

القرن الحادى عشر:

۲۴۔ دور الصوفية في الفتوح العسكرية:

> " هيأ الله عزوجل للأمة الإسلامية فى هذه الفترة الحرجة رجالا من رجاله، خارج مصر والمنطقة العربية كهؤلاء الذين كانوا حول محمد الفاتح عند

دخول القسطنطينية ، وكان لهم تأثير بالغ عليه وعلى قادته من الناحية الروحية". (۲۲)

۲۵۔دور الصوفية في القضاء على الفتن والمحن التي واجهها الإسلام:

"أما الديار الهندية فكانت تعانى فتنة قاسية ، إذ ابتليت بأحد رجال الأسرة المغولية فى الهند ، وهو السلطان أكبر المتوفى فى السنة الخامسة من القرن السابع عشر للميلاد ، الذى حاول إقامة دين جديد لرعاياه ، يمزج بين الإسلام والمسيحية والهندوكية ، وانتهى بهم الأمر إلى عبادة الامبراطور ، والسجود له هاتفين " الله أكبر " وأعانه على ذلك طوائف من المنافقين سياسيين كانوا أو علماء رسميين ، لكن الله عز وجل حمى عقائد المسلمين بالهند ، بجهود رجل من رجاله هو الشيخ أحمد السرهندى النقشبندى المتوفى فى السنة الرابعة والثلاثين من القرن الحادى عشر المعروف بمجدد الألف الثانى فقد استطاع أن يقنع الامبراطور بإلغاء كثير من البدع التى استحدثها أبوه أكبر فأصدر بعد قليل أمرا ملكيا نص فيه على ما يأتى:

۱۔ تحريم السجود للملك.

۲۔ إباحة ذبح البقر وأكل لحمه.

۳۔ إعادة بناء المساجد المهدمة.

۴۔ إبطال القوانين المعارضة للشريعة الإسلامية.

۵۔ تعيين القضاة والمحتسبين فى مختلف المدن الهندية.

وبذلك آتت حركة الشيخ أحمد التجديدية أكلها ، وعاد للمجتمع الإسلامى فى الهند اطمئنانه ، وانتهت حركة الاضطهاد لعلماء السنة ، بدأ المسلمون يحسون الحرية التامة فى القيام بشعائر دينهم". (۲۳)

هكذا دافع أحد من الصوفية المحققين عن الإسلام عقيدة و شريعة فى حقبة حرجة من الزمن فى القرن الحادى عشر كما أن هذا الدفاع المفعم بالقوة والحيوية والغيرة الدينية أدى إلى يقظة ونهضة إسلامية كبرى فى الهند و كثير من البلاد الإسلامية حيث إن تلاميذ الشيخ كانوا امنتشرين فيها.

القرن الثانی عشر:

٢٦۔ الاحتفاظ و التمسك بالسّمات الإسلامية و ميزاتها:

من أحد أعلام الصوفية المحققين الذين عاشوا فی القرن الثانی عشر للهجرة هو الشيخ علی البيومی المتوفی فی السنة الثالثة و الثمانين من القرن الثانی عشر للهجرة.

"قد نشأ الشيخ علی نشأة دينية و تربی تربية إسلامية محضة حفظ القرآن الكريم و بادر إلی التفقه في الدين فخالط مجالس الشيوخ و العلماء و نهل علی أيديهم من فيض علوم الشريعة فتفقه علی مذهب الإمام الشافعی — رحمه الله — وتلقی علوم التفسير و الحديث و اللغة و غيرها علی أفاضل علماء عصره وقد ذكر الجبرتی في تاريخه أن الشيخ البيومی قد أخذ الحديث و المسلسلات عن الشيخ عمر بن عبد السلام التطوانی كما تلقی عن نخبة من أشياخ عصره". (۲۴)

نلاحظ أن التصوف في هذا القرن لم يغير وضعه مما كان عليه في القرون السابقة و ظل محتفظا بميزاته و سماته الإسلامية الجميلة التي تجذب الناس إليها مقدما لهم منهلا علميا و روحيا تستقی منه عقولهم و أرواحهم.

المرحلة الرابعة:

التصوف الإسلامی من القرن الثالث عشر إلی القرن الرابع عشر للهجرة

القرن الثالث عشر:

٢٧۔ المساهمة الفعّالة في تطهير المجتمع من الدنس المادي و إصلاحه:

نجد ملامح التصوف في القرن الثالث عشر من خلال كتابات شخصية فذة صوفية ذات مكانة عالية في أوساط الصوفية و التصوف أعنی الإمام السيد محمد ماضی ابو العزائم المتوفی فی السنة السادسة و الثمانين من القرن الثالث عشر يقول:

" إن الصوفی الذي نهج منهج التصوف علمًا و مسلكًا ، و عمل بكتاب الله و بسنة رسوله صلی الله عليه وسلم و معلوم أن الأشياء كلها لها ظاهر و باطن وهو لبها فكذلك الدنيا و الآخرة و للدنيا أبناء و للآخرة أبناء فأبناء الدنيا

شغلوا بما تقتضيه حظوظهم وشهواتهم وأهواؤهم وما يدعوهم إليه الحس والجسم فرضوا بالحياة الدنيا واطمأنوا بها والصوفى عرف حذر الدنيا بالتعليم وتحقق زوالها بالتفكير أيقن أن بعدها دارا هي الدار حقا ولا يسعد فيها إلا من تخلى عن دنس فكر الأجسام والصوفى على قدر الدنيا والآخرة فقدم مايبقى على مايفنى وباع مايزول بمايدوم وتمنى أن يكون نفسه الثانى فى الآخرة في رمسه شوقا إلى جوار حبيبه المختار والأنس بالصفوة الأطهار "فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ (۲۵)"، رجع بكليته إلى الماضى مسارعا إلى ما كان عليه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من العقيدة والعبادة والأحوال النبوية والأخلاق الربانية ومعاملتهم لله تعالى في خلقه". (۲٦)

يلاحظ فى هذا القول أن الصوفية المحققين فى القرن الثالث عشر كانوا على علم دقيق و معرفة عميقة من العلوم الإسلامية كما أنهم كانوا يساهمون مساههمة كبيرة فى نشرها والدعوة إلى التمسك بالقرآن والسنة.

القرن الرابع عشر:

۲۸۔ إحياء الشعور بالرسالة السماوية والتوجيه إلى العمل بها:

يقول د/عبد الحليم محمود شيخ الأزهر الأسبق وأحد أعلام الصوفية فى عصره المتوفى في السنة الثامنة والسبعين من القرن العشرين:

"إن معالم الإيمان وسمات التدين والفكرة الصحيحة عن الهدف الذي من أجله خلق الإنسان والمنطق السليم بين الله عزوجل والعالم إن كل ذلك يكاد في العصر الحاضر — يندرس ويتلاشى وإنه لمن المؤكد أن الأغلبية العظمى من الناس الآن يسيرون في الحياة دون شعور واضح برسالة السماء وتوجيهها وهديها وإنهم بذلك لفى خسر وإنهم لذلك الأشقياء ومع أن رسالة السماء لاتعقيد فيها ومع أن هدى الله عزوجل سهل واضح". (۲۷)

۲۹۔ تقريب المجتمعات الإسلامية إلى معرفة العلاقة بين الله تعالى والإنسان:

يقدم لنا الدكتور عبد الحليم محمود فى هذه السطور صورة حالة المسلمين من

ناحية العقيدة الإسلامية والالتزام بها حيث إنهم بعيدون عن هذا المنهج السليم السوى للحياة.

ويقول الدكتور في تفسير "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ". (۲۸)

" والإسلام يريد بذلك أن تكون حياة الإنسان في جميع اتجاهاتها وفي جميع جوانبها وزواياها حياة الإنسان أسسا وبواعث وحياة الإنسان وسائل ومناهج وحياة الإنسان أهدافا وغايات يريد الإسلام أن يكون كل ذلك عبادة وليس ذلك بالأمر المستحيل فالعمل الواحد يعمله شخص من الأشخاص فيكون عملا دنيويا ويعمله شخص آخر فيكون العمل ديننا بل العمل الواحد يعمله الشخص الواحد في وقت ما فيكون دنيويا ويعمله هو نفسه في وقت آخر فيكون عبادة وكل ذلك إنما هو بحسب النية يقول صلوات الله وسلامه عليه " إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله ومن كانت هجرته لدنيا يصيبها أو إمرأة ينكحها فهجرته إلى ما هاجر إليه (۲۹) "، فإذا ما أراد الإنسان بعمله وجه الله ◻ كان العمل عبادة مهما أغرق في الصورة الدنيوية وأحاديث الرسول صلى الله عليه وسلم في هذا الجانب كثيرة بيد أن العبادة من ناحية قيمتها الروحية درجات لا تحصى إنها قد تكون شكلا من الأشكال مجرد شكل لا قيمة لها ولا وزن في مقاييس الروح وموازينها وقد تسمو وتسمو فتصل إلى " أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك (۳۰) "، ولقد كان الرسول ﷺ المثل الأعلى لنا في أن نعبد الله كأننا نراه". (۳۱)

هذه صورة عملية متكاملة لعقيدة التوحيد عند أحد من أعلام الصوفية فى القرن الرابع عشر كما أنه مثال رائع للنظام الروحى الإسلامى وهدفه وغايته المنشودة.

المرحلة الخامسة:

التصوف الإسلامي اليوم:

۳۰۔ تجديد التصوف الإسلامي و نهضته الفكرية و العملية:

" إن التصوف وإن غلب عليه التقليد ، وساده الجمود أو الخمول ، قد أخذ يتحرك من الناحية الفكرية ، وإن لم يظهر بعد من الشعراء والمفكرين والمرشدين مثل من شهدتهم المراحل الأولى من حياته ، ويرجع هذا التحرك إلى عوامل منها: إسهام بعض المفكرين الكبار ، كمحمد إقبال ، فى إحياء حقائق التصوف وعرضها فى سياق الفكر المعاصر ومشكلاته ، من أبرز أعماله فى هذا الصدد " جاويد نامه بالإضافة إلى بحوثه فى " تجديد الفكر الدينى " . ولعل إقبالا هو أكثر مفكرينا المعاصرين استيعابا للفكر الصوفى ، وخاصة عند جلال الدين الرومى — رحمهما الله - والدور الذى لعبه كثير من المستشرقين الذين أعجبوا بالتصوف الإسلامى ونشروا أصوله القديمة ، وترجموا بعضها إلى لغاتهم مثل نيكلسون وماسينيون ، رويتر ، وآسين بلاسيوس ، وكوربان ، براون وآربرى وغيرهم وجهود أساتذة عرب كرام ، ومسلمين من مختلف الأقطار ، لا يمكننا إحصاء أسمائهم ، فى نشر التراث الصوفى ودراسته ، وتوجيه العناية إليه ، والحث على إحيائه ، ونقده من أمثال عبد الحليم محمود ، وأبى العلا العفيفى ، ومحمد مصطفى حلمى فى مصر على سبيل المثال لا على سبيل الحصر ".

۳۱۔ صحوة إسلامية كبيرة بين صفوف الصوفية في العصر الحاضر:

هذا يشير إلى أن التصوف الإسلامى اليوم يمر بمرحلة التطور والتجديد كما نلاحظ أن هناك صحوة كبيرة فى مجال التصوف علميا وعمليا و ذلك ليس فى صفوف المسلمين فحسب بل امتدت دائرة تأثير التصوف الإسلامى إلى أقطار غير إسلامية.

هكذا حاول الباحث محاولة متواضعة أن يقدم إلى القارىء الكريم مراحل النشأة والتطور والتجديد للتصوف الإسلامى عبر أربعة عشر قرنا وأرجو أن أكون قد وفقت فى هذا التقديم والإفادة به. وبالله التوفيق.

♦♦♦

مصادر

۱۔ الخفاجی، عبدالمنعم، الأدب في التراث الصوفی: د، مكتبة غريب القاهرة، صـ ۳۰

۲۔ القصص، الآية: ۷۷

۳۔ البقرة، الآية: ۲۴

۴۔ رينولد نيكلسون مترجم أبو العلاء عفيفی ،في التصوف الإسلامی وتاريخه : القاهرة ۱۹۵۲م، صـ ۲

۵۔ العطار، فريدالدين، تذكرة الأولياء ، المجلد الأول صـ ۲۷۔ ۱۷، قاسم غنی، ناريخ التصوف فی الإسلام، صـ ۹۴ اشارة إلى قصة يوسف عليه السلام.

۶۔ نيكلسون صـ ۲۰ تذكرة الأولياء صـ ۳۰۵ جـ ۱

۷۔ محمد علی أبوريان، الدكتور، الحركة الصوفية في الإسلام : دار المعرفة الجامعية ، سويس ۱۹۹۸م، صـ ۱۱۰

۸۔ قاسم غنی، الدكتور ،تاريخ التصوف فی الإسلام: ترجمة من الفارسية إلى العربية ، د/ محمد مصفى حلمی ، صادق نشأت مراجعة : مكتبة النهضة المصرية القاهرة ، صـ ۲۸۱۔۲۸۴

۹۔ المصدر السابق، صـ ۲۶۳

۱۰۔ تاريخ التصوف فی الإسلام، صـ ۲۶۰

۱۱۔ حسن الشافعی، الدكتور ،فصول فی التصوف : دار الثقافة للنشر والتوزيع ، القاهرة ۱۹۹۶م، صـ ۱۱۹

۱۲۔ المصدر السابق، صـ ۱۳۲

۱۳۔ تاريخ التصوف فی الإسلام، صـ ۲۸۹

۱۴۔ المصدر السابق، صـ ۹۰۶

۱۵۔ الهروی، الواعظ، علی بن حسين، رشحات عين الحياة: صـ ۵۰ نشر دار إحياء، بيروت.

THE CONCEPT OF SELF PURIFICATION IN TASAWWUF

Dr. Matloob Ahmad*

Dr Kaniz Fatima**

Abstract:

This Article is an attempt to present to readers the main concepts of self Purification in Tasawwuf. Exactly purification is to clean ourselves from evil desires and to adopt a neat and clean life with superior qualities with the help of its foundations which are as repentance, fear of Allah, abstinence, patience, gratitudeness, truthfulness. On acting upon these basic requirements of self purification, our hearts will fill with the true love of our creator as a result of which our personality devolps into the form of purified soul and chracter.

Key Words:

Foundations, Abstinence, Patience, Patience, Truthfulness, Creator, Soul

In the time of the prophet Hazrat Mohammad (S.A.W.W) Tasawwuf was a reality without a name, today Tasawwuf is a name, but few know its reality.

*Associate professor Govt. College of commerce Faisalabad.

**Senior Subject Specialist Govt. G.HSS Murree Road Rawalpindi.

The origin of Tasawwuf thus lies in the Prophetic Sunna. It became a distinct discipline when the majority of the Muslim Community lost intrinsic, spiritual strength as a whole, so Muslims of subsequent generations required systematic effort to attain it, and it was because of the change in the Islamic environment after the earliest generations, that a discipline by the name of Tasawwuf came to exist.

A Hadith magnifies its validity quoted by'Umr ibn al-Khattab, who said:

As we sat one day with the Messenger of Allah(S.A.W.W) a man in pure white clothing and jet black hair came to us, though none of us knew him.

He sat down before the prophet(S.A.W.W) bracing his knees against him, resting hands on legs, and said: Tell me about the perfection of faith(inhsan)"and the prophet(S.A.W.W(answered: "it is to worship Allah as if you see Him, and if you see him not, He nevertheless sees you."

ان تعبد الله کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك[١]

There is no doubt that Tasawwuf is a founding branch of Islam".The word itself may have been derived from the Arabic word"Soof"(Wool) or from"Safa"(cleanliness)[2]but its foundation lies in one's thorough sincerity in seekling Allah's nearness and trying to live a life pleasing to Him. Study of the Quran, the Hadith, and following the practical life of the Holy Prophet Muhammad (S.A.W.W)and his faithful companions provide unmistakable support to this reality.

The reality of purification is to clean ourselves from evil desires and attain superior traits, and as thus fill our hearts with the true love of our creator, as a result of which our personality develops in a manner that we are pleased to live by the instructions of Allah SWT and an inner hatred develops over defiance of sharia. And thus each and every practice of the life of the Holy Prophet(SAWS) becomes so dear that one could not help but follow it with veneration. Kabbani Writes:

> "Allah(SWT) has installed two spiritual powers in each human being, one pulls him towards His obedience and the other grabs him to the path of defiance. The objective of purification is to potentiate the positive forces and weaken the negative forces. The positive forces have been named as soul(RUH/QALAB) and negative forces as Nafas. Collision between these two forces continues till the end of life, so, we have to continue the effort for purification till death.(3)

The meaning of self purification is, the cleansing of the inner self. That is to refine the innerself of all the evils e.g. irresistible desires of this world, hypocrisy, pretence, Jealousy, rivalry and malic etc. To decorate the heart with the agreeable attributes of belief in Allah, fear of Allah, modesty, patience, Thankfulness, and tripidation etc. To cleanse the Heart of the Thoughts of all others, except Allah SWT".The person becomes such that during most of his times he is thoughtful of his divine presence. On Him he relies, and on Him he starts to expect to Him he asks for help, to Him he loves and to Him he fears.")(4)The individual is not bothered about the creatures, to this state of mind and heart, The Holy

Quran ascribes as purification"Tazkia."

Quran says that those are successful who odopted the self-purification

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ وَذَكَرَ ٱسْمَ رَبِّهِۦ فَصَلَّىٰ بَلْ تُؤْثِرُونَ ٱلْحَيَاةَ ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰٓ (٥)

Translation: Indeed successful is the one who became pure. And who mentioned the name of this Lord, then offered prayer. But rather you prefer the life of this world! whereas the Hereafter is better and overlasting.

The mission of the Holy Prophet was to create the self-Purification.

The Holy Quran Says.

هُوَ ٱلَّذِى بَعَثَ فِى ٱلْأُمِّيِّـۧنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَـٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَـٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا۟ مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ (٦)

Translation: It is He who has sent among the unlettered people a noble Messenger from themselves, who recites His verses to them and purifies them, and bestows them the knowledge of the Book and wisdom, and indeed before this, they were in open error.

Self-purification can be created for acting upon its basic principles and Fundamentals. Imam Ghazzali said that "these principles are compulsory for a sufi to attain closeness of Allah SWT, and with having these he (Sufi) creates with himself self-purification."[7] These principles of self purification are also mentioned in other books of Tasawwuf which are as following.

REPENTANCE

The meaning reality of repentance is, feeling of shame on

sins, returning to Allah away from the path of distance(which takes you distant from Allah) to the path of closeness(which takes you closer to Allah) but for that there is a condition, beginning and perfection.

As to its beginning: It is faith(Iman) and its meaning in this context is the bright light of knowing in the heart that sins are destroyers, and from this realization, the fire of fear and sadness arises, and from this fire results the truthfulness of yearning(to repent to Allah)being in awareness about the harm of sins when one meets it. The present then should be, your, leaving the sins, and as to the future, determination on leaving the sins, and as to the past, the acquirement of the realization of harm of sins you may have done, and with these three gradually perfection is acquired.

The Holy Quran says of about the concept of Repentance as

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوۡبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمۡ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمۡ
سَيِّـَٔاتِكُمۡ وَيُدۡخِلَكُمۡ جَنَّٰتٍ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ (٨)

Translation: O people who believe! Incline towards Allah in a repentance that becomes a guidance for the future, it is likely that your lord will relieve you of your sins and admit you into gardens beneath which rivers flow.

Know this that repentance is one of those obligatory deeds on each sane, adult, Muslim, and because a person with disbelief in his heart he doesn't repent. It has been mentioned in some hadeeth also that a person who sins yet repents sincerely to Allah, is much better than the one who doesn't sin, and do not repent. It should be known that not repenting to Allah itself is an act of

ingratitude to Allah. Then there are stages of repenting, as each person is not the same in his sincerity in repenting. There are sinners whose repentance is a mockery to Allah, a game and a formality.

The Holy Prophet(SAWW) whose all past and future was forgiven by Allah, used to repent to Allah more than seventy times each day! So ponder well O people who wish to acquire Allah's friendship. And what is the friendship of Allah except the greatest acquirement Allah says in Hadeeth Qudsi that whoever shows envy or hatred towards any friends of Allah, Allah declares war on him! And He the Al-Mighty says in hadeeth Qudsi, that a servant who is sincere and also repenting, if he walks towards Allah, Allah runs towards him, i.e. if he desires Allah by a degree Allah bring him closer by a degree greater. Ponder well then.

Allah SWT says in other Hadis Qudse, Oh, my people, you do sins day and night and I pardon your all sins, pray for pardoness, I will pardon you.

قال یاعبادی انکم تخطؤون باللیل والنهار وانا اغفر الذنوب جمیعا
فاستغفرونی اغفرلکم۔(۹)

Imam Ghazzali states that one needs to be repenting towards Allah in each state of his existence, as if when he is overwhelmed by the remembrance of Allah, he will attain such level. This is a level which is not attained by one or two days but by self struggle, which is one of the aims of Sufism. Only a servant who fears Allah and loves Him from within his heart can appreciate this, because the hadeeth mentions that if Allah were to judge among His creations strictly, not a single creation would escape His wrath. The level of continuous repenting is a level indeed high and

fruitful, and it is not easy to be attained by every person.

In, other place the Holy Prophet(SAWW) says that a person says for repentance before coming the moments of Hereafter his repentance will be accepted.

من تاب قبل ان تطلع الشمس من مغربها تاب الله عليه.(۱۰)

Says, Imam Ghazzali that the repentance in relation to the heart is like soap to the cloth, it washes and makes it brighter, and cleaner. One should seek repentance to Allah with the hope that Allah will accept it, but not with hopelessness, neither with a guarantee.(11)

When you will be on the path of seeking repentance to Allah in your prayer, after your prayer, and when you go to sleep, and when you wake up and so on, you will gradually be stronger and overwhelm the power of the sins, and gradually will be equipped with the arsenal of piety and Satan will flee from you, but know this Satan flees only to come back later, so you must not let your guard down.

The Holy Quran says that the Allah accepts the repentance from His people.

وَهُوَ ٱلَّذِى يَقْبَلُ ٱلتَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُواْ عَنِ ٱلسَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ(۱۲)

Translation: And it is He who accepts repentance from his bondmen, and pardons sins, and knows all your deeds.

Ibn Khaldun says that, a man finds it difficult to flee sins because:

The punishment of Allah is not like money which comes like that, and the nature of human is inclined towards that which he can attain and see, in present. To cure this nature, he must think

about that what will come from Allah as punishment even though it doesn't come just like that, can come in a blink of an eye, yet one is unaware of it. He must think that death is closer to a man than his shoe-lace, thus what makes you think that it won't happen right now while you reading this, or at the end of the day or tomorrow(13)

He may think that he will repent tomorrow or, after some years or at his old age. Let him ask himself what makes him so sure that he will live for the next few hours He may think that he will be good and nice to himself and people. Let him think that not belittling yourself towards Allah by repentance is one of the forms of arrogance and pride against Allah.

Repentance is for all sins whether big(kabeera) sins, or small (sageera) sins. Small sins will gather in you and destroy you while you may not know if you are taking small sins lightly.

ABSTINENCE:

The reality of abstinence is: reluctance of the self towards the world. Its root is the knowledge and light which enlightens the inner self, and the realization that the hereafter is better than the world. Its fruit is being satisfied by the world according to ones necessity. Hadrat Ali(ra) said 'Indeed Allah has made the leaders of guidance(i.e. Islamic scholars, leaders of Muslim nation) they being like the people with the lowest state of livelihood, so that the rich may follow them'...Look at the lives of the four caliphs, the leaders of guidance, who spread Islam throughout the lands by Islamic military and wars of justice, winning wealth and riches, yet they abstained from it, keeping themselves in the minimum

state of life as possible, so that world do not deceive them, in their leadership, and service towards Islam, and their own souls.

The Holy Quran says that every person would be accountable for his earnings.

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (١٤)

Translation:This was a nation that has passed away, for it is what it earned, and yours is what you earn, and you will not be questioned about this deeds.

And on another place the Holy Quran declares this Ummah as moderate.

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (١٥)

Translation: we have made you a moderate ummah(nation) so that you may testify against mankind and that your own rasool may testify against you.

And again Quran Says.

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ (١٦)

Translation: you are the best among all the nations that were raised among mankind. You enjoin good deeds and farbid immorality and you believe in Allah.

Imam Ghazzali mentions the levels of abstinence: One who abstains the glitters and temptations of the world yet yearning towards it while fighting against his inner desires and yearnings. This is the start of abstinence. One whose heart flees away from the world, and doesn't incline towards it.

> "Syed Hussain Nasr says-One who doesn't flee away from the world yet does not incline towards it, because he has defeated his desire for world, thus his wealth to him whether rich or poor, doesn't matter. He has realized the greatness of hereafter compared to world.(17)

Know this that abstinence is not a thing which makes you leave the world as if you do not exist in the world, rather the abstinence of the world means, turning your face from such which tempts you towards worldly pleasures making your heart covered from the greatness and richness of hereafter.

PATIENCE:

Patience means"Sabar" in Arabic.The meaning of'sabr' is to bear, to detain oneself from something and to be firmed at any thing. But commonly sabr is called when a person bears all difficulties, troubles, miseries, woes and calamities with boldness and contentment.

Patience is basic quality of Allah's friends Islam advises for adopting the patience.

The Holy Quran says.

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ ٱلْخَوفِ وَٱلْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ ٱلأَمَوَالِ وَٱلأَنفُسِ
وَٱلثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ ٱلصَّابِرِينَ ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓاْ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّـآ إِلَيْهِ
رَاجِعونَ(١٨)

Translation: And we will surely test you with some fear and hunger and with paucity of wealth and lives and crops, and give glad tidings to those who patiently endure. Those who say when calamity befalls them, Indeed we belong to Allah and indeed it is

to Him we are to return.

> Says Imam Ghazzali, that"the children of Adam have been given two great forces: intellect i.e. the rational mind, which is of the armies of Allah, and Angels, and the other is, vanities and temptations, which is of the armies of the devils.(19)

It should be noted carefully that patience establishes the balancing factor in a human so that the two opposite extremes are kept in its proper measure, thereby not making human being who only thinks, and has no temptations such as sex, or something, neither making human a machine of temptations, who have lost grip of his mind, thereby breaking the thin thread of differentiating between moral and immoral. The greater patience equips the man with a greater insight by separating the rational and the temptational part of human in two opposite extremes, thereby not mixing it and destroying the balance.

The Holy Quran says.

يَاأَيُّهَا ٱلَّذِينَ آمَنُوا ٱصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَٱتَّقُوا ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (٢٠)

Translation: O people who believe! Endure and surpass your enemies in endurance and guard the frontiers of the Islamic nation and keep fearing Allah, hoping that you may succeed.

And Holy prophet(SAWW) (says.الصبر نصف الایمان.21)

Translation–:Patience is half of faith.

Al-Sh'arani says.

> Know this that patience is of three types: the first is a must for each servant of Allah, which is being patient from committing sins, then the second is for the higher worshippers such as being patient when stricken by

> hunger and poverty, for the sake of Allah, and not taking the path of sins. The third is the highest patience, which is that of the people of abstinence, who are patient from the taste of the world even though it may be permissible.(22)

Know this patience for the sake of Allah is the defence in the spiritual war between the good and the evil therefore be well to strengthen your defence, the defence against the evil in the greatest of war– the war of spiritual existence. Patience tames your heart and makes it mature and stable so that it doesn't fall in to something harmful, in haste. In great hunger, a man may be forced to eat pork, as is permitted by Islamic law, when there are no permissible foods, and in this case for example patience will make you eat as much as is needed of the pork to save yourself, unlike those impatient people of desires, who engulfs the pork forgetting their needed limit, and taking a taste from the forbidden. The non-existence of patience will make him appreciate the taste of this forbidden thing which may take him to annihilation from within. So ponder well, and sharpen your defence. This highest patience creates self purification in an individual.

THANKSGIVING:

It means"شکر"in Arabic the meaning of Shukr is to accept the obligation of aneself and give the reward iun response of this to the obligator. There are a lot of boons of Allah who He awarded to His creatures and it is our duties to pay shukr for the Allah.

The Holy Quran Says.

وَٱشۡكُرُواْ ٱللَّهِ إِن كُنتُمۡ إِيَّاهُ تَعۡبُدُونَ (٢٣)

Translation-:And be grateful to Allah if it is only Him you worship.

(Allah awarded us will great boons for gratefulness.)

وَٱللَّهُ أَخۡرَجَكُم مِّنۢ بُطُونِ أُمَّهَٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ شَيۡـٔٗا وَجَعَلَ لَكُمُ ٱلسَّمۡعَ
وَٱلۡأَبۡصَٰرَ وَٱلۡأَفۡـِٔدَةَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُونَ (٢٤)

Translation-:And Allah brought you fiorth from your mothers' wombs, whilst you did not know anything and gave you ears and eyes and hearts for you to be grateful.

The Prophet(SAWW) said to His wife Ayesha(ra)when she said to him'what makes you cry to Allah when he has forgiven your past and future He(SAWW) replied'Will I not be a thanking servant.افلااکون عبداشکورا.'

Know this that thanksgiving is done to Allah, and to people. The two are different in their nature, as thanksgiving to Allah is to be done on a continual daily basis, such as when he wakes up, when he goes to sleep, when he finishes his prayers, when he acquires a good thing in the world through lawful means, and so on. Thanksgiving to Allah must be followed by love and awe towards Him, and is not a mere formal thanking as you may see today among people of government, or among people of disbelief. Thanksgiving to Allah is not a formality, and anyone who does in such a way is not thanking Allah, but sinning. There are people who thank a person of importance with great reverence, even belittling himself. If such is from a person to another person, what should be to Allah, the Lord of Dignity In fact a Muslim must never humiliate himself by showing reverence to a sinner, or an infidel.

Our thanksgiving to the non-Muslims must be formal, with Islamic dignity kept intact. Thanking people is done with respect and manners, which do not belittle our Islamic dignity. As to thanking Allah it is as has been said different. If you do not feel lowly in front of Allah, then know you have not learnt to respect Him, and have not known Him, and while thanking Allah or asking to Him, this is even more needed. The result of your being lowly to Allah is a result of reverence, awe and humility, which has been acquired from Allah as a gift, through your worship, so that you worship Him even in a deeper and higher state. Ponder this and in yourself very well .

SINCERITY:

Says the Imam, Ghazzali, know this that for sincerity there is a reality, a root and a perfection. Its root is intention and the intention which is free from defects and indecision, and the perfection of intention is truthfulness.

The meaning of intention is, desiring the face of Allah, which is to say desiring Allah's nearness and love. One doesn't seek the face of other except in a way of desire which is special, desiring the other in the highest way of desire hoping for his attention. The Prophet (saas(said 'Actions are (rewarded) according to the intentions (behind it ('انما الاعمال بالنيات.'[۲۵])hus for example your prayer to show off people is not accepted, as your intention is to please people, but not Allah. Another example would be that if two men is determined to kill one another, and one is killed by the other, then, both are in hellfire, as has been stated by the Prophet (saas) because He (saas) mentioned the reason being that the

killed wanted to kill the killer too. This is one face, but do not generalize.

Al-Taftazani says.

> "The reality of intention is a determined desire to act with the ability at one's disposal, and such desire is awaken in oneself, by one's knowledge. Know this all your deeds, is not being correct except without by physical ability, desire to act and knowledge of the action, for example fasting, or jihad. (٢٦)

The Holy Quran says.

> وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ (٢٧)
>
> Translation–: And they ware ordered only to worship Allah, believing purely in Him being true in their faith.

Know this, that your actions, such as prayer, fasting, jihad, spending etc is nothing at all to Allah unless it is followed by the intention, an intention directed to please Allah and attain His love and friendship. The Prophet(SAWW) said that Allah doesn't see our looks and physical form, but He looks at our hearts and deeds. The heart is preceded before deeds, so ponder well, and know this Sufism is more in to the purification of heart than the deeds, for if the heart is enlightened, the deeds will follow".An enlightened pure heart if does a small deed is better than a tainted heart with many deeds. A pure heart will purify your deeds, and your external manifestation(28) So know this very well, that, the lowering of your forehead towards the earth is not the lowering of it in truth, but the humility and awe of the heart, and the body reflects the heart. Also for example, paying zakat is not eradicating your ownership, but the eradication of the filth of

stinginess .Also the slaughtering of animals is not for the sake of its meat and blood, but rather honouring and feeling a respect and awe for the signs of worship, the signs of Allah.

Know this sincerity is that when your intention makes you contribute your deed for one aim and goal, and in the context of servitude, it will be Allah. Thus your one unique existence of the purpose in your heart is to please Allah, and nothing connecting with this one unique purpose, such as praying prayer yet you think of what would you do about so and so problem at the same time, even if you do so while you are in prayer, for the least moment.

CONCLUSION:

When mankind is on the point of spiritual perfection his long hidden thirst which had started since his beginning of his breath, will come to be quenched through a level known as ihsan where mankind will meet his Lord, seeing Him by his heart and knowing that God is seeing him. When mankind will come to this level through self purification. He will know that all his efforts of his life has been fruitful, and his thirst been satisfied, because he has met God with adopting and acting upon repentance, Fear of Allah, Abstinence, patience thanksgiving, Sincerity and truthfulness and other basis of purification.

♦♦♦

REFERENCES

1. Imam Muslim, Al-Sahih, Dar-e-Ihyia-ul-Tras Al-arbi, Berut, Labnan, Hadith No.5 1/37
2. J, Milton, A Dictionary of Modern Written Arabic, Macdonald Evans Limited, London, 1960,P.531.
3. Kabbani, Muhammad Hisham, Self-Purification and State Excellence, Al-Sunnah Foundation of America, 1988,P.347.
4. Al-Attas, syed Muhammad Naquib, The Positive Aspects of Tasawwuf, Kuala Lumpur, Arts Printing Works, Sudan, 1981, P-212.
5. Al A'la:14–17
6. Al Jumah:2.
7. Al Gazzali, Abu Hamid Muhammad bin Ahmad, Al-Arbauun Fi usool, Ad-Din, Maktatabat-ul-Haqiqah, Istambol, Turky, P-37.
8. Al Tehreem:8.
9. Al Sahih Muslim: 1/1137
10. Ibid: 2/1920
11. Al Gazzali Kimia-e-S'adat, P.139.
12. Al Shoora: 25.
13. Ibn Khaldun. Al-Muqaddimah, Dar al-Sya'bi, Kaherah, P-207
14. Al Baqarah: 134.
15. Al Baqarah: 143.
16. Aal-e-IMran: 110.
17. Sayyed Hossain Nasr Books, Sufi Essays, London: George and Allen and unwin, 1972,P-273.
18. Al Baqarah: 155–156.
19. Gazzali, Al-Arbauun, P-43.24.

20. Aal-e-Imran :200.
21. Abu Abdullah Muhammed bin Abdullah, Al Mustadarrk, Darul Marifa, Qahira, 1998 H No: 3718.
22. Al-Sha'rani, Abd. Al wahhab bin Ahmad, Al abaqat al-Kubra: al-mussamat bi Lawaqih. Msir: Matba Ahmustafa al-Babi al-Halabi, 1954,P.215.
23. Al Baqarah: 172.
24. Al Nahl: 78.
25. Muhammad Bin Ismaeel Bukhari, Al Sahih Bukhari: Hadith 6689,Kitab ul Eeman Wal Nazool, Dar-u-Salam Wal Nashar Wal Touzee, Al Riad, 1999
26. Al-Taftazani, abu al-wafa, al Ghanimi, Madkhal ila al-Tasawwuf al-Islami: Dar al-Wafah, Qahirah, 1976, P-134.
27. Al Bayyanah: 5.
28. Nicholson, Reynold A. Al-Sufiyyah fi al-Islam, Qahira, 1951, P-265.

♦♦♦

Book Review:

SANUSIYAH: A STUDY OF A REVIVALIST MOVEMENT IN ISLAM

By: Nicola A. Ziadeh. Leiden: E. J. Brill, 1958.Pages. 148.

Dr. Ghulam Shamas-ur-Rahman*

Islamic civilization is comprised of multidimensional geo-political, cultural and intellectual features. Its diversification is based on the acceptance of different elements of other contemporary cultures. The Islamic rule of unity of dogma and foundational principles and diversity in practical applications gives cohesion to Muslim society. The rule of ijtihad(personal reasoning) provides sustainable and theoretical basis to incorporate the intellectual and cultural elements of different civilizations. The fertility of Islamic civilization is based on this central point: acceptance of good and refutation of bad and evil. In the early history of Islam, Arab's encounter with Iranian, Greco Roman, Indian and North African civilizations produced a beautiful synthesis of diversity within unity. This interaction gave the rise to excellence, harmony and cohesion in all spheres of life. Thus, a productive civilization generated by the Islam in the early centuries of Arabian rule. In thirteenth century, Baghdad was sacked by Mongols but paradoxically it boosted the Islamic

*Associate Professor, Department of Islamic Studies, B.Z.U., Multan

civilization and its different aspects because the collapse of Baghdad and domination of Mongols compelled the Muslim scholars to evaluate their values and ethics and to rethink about their weakness and flaws. This interaction was also a great blessing for Islamic civilization in the broader perspectives.

The Muslim civilization recently encountered with the European civilization after the industrial revolution in Europe and European domination on the Muslim lands. This is very complex phenomenon because of its multidimensional and pluralistic nature. Colonialism deprived Muslims from their three great empires: Ottoman, Safvid and Mughals. Moreover, the western domination was not a simple change of rule, but it replaced the whole institutional structure from education to government. Muslim scholars encountered with the new western concepts of democracy, nationalism, positivism etc. The effects and impacts of this interaction are of paramount importance. All things are in state of flux a complete shift of paradigm. From the time of colonialism to the date, Muslim scholars are busy to reconstruct their own distinctive alternatives. Many movements emerged for the reinterpretation of Islamic thought integrating them with the Quranic message and making them harmonious with the contemporary western world. The Pan-Islamism, the Wahhabism, the Muslim Brotherhood of Egypt, the Jammat Islami of Pakistan and the Sanusiyyah in Libya and Sudan endeavoured to preserve their own identity and civilization. Their interpretations are different but all are based on the reaction and reinterpretation of

Islamic concepts with juxtaposition of modern western concepts .

The Sanusiyyah movement is considered one of the most influential movements in Cyrenaica who responded actively the challenges of his time. The Grand Sanusi Muhammad bin'Ali was an expert of Islamic sciences and religious leader of nineteenth-century North Africa. He formulated a reform programme to address contemporary issues. His message was a combination of divergent elements of Islamic sciences. Emphasizing on the need of ijtihad, he established a revival movement on the foundation of Islamic Shari'ah integrating it with other branches of Islamic sciences. Contrary to the Wahhabism, Grand Sannusi and his predecessors accommodated Sufism and tried to fuse Sufi piety and passion into the exoteric Islamic law. They endeavoured to safeguard Islamic values and tradition from the western ideas and their imitation without understanding their spirit. The Sanusiyyah focused their attention on the education of Bedouins and nomadic tribes of Cyrenaica what today is Libya. They observed the decadence of Islamic teaching and understanding in the nomadic society of Sahara and Cyrenaica. Therefore, they initially conducted a very vigorous campaign to educate them the traditional Islamic education and to win them back to the teaching of classical Islam based on Quran and Sunnah.

The Sanusiyyah played an important role in the resistance of the French in the Sahara and the Italian in Cyrenaica. This Order was considered by the colonialists as a grave opponent to their

domination and a great hindrance to way of progress and reason. However, the movement remained very popular among the masses. The adherents of this movement took over the governing authority after Ottoman withdrawal from the region. After the colonial domination, the Sanusiyyah established Libyan Federal State under the grandson of the Grand Sanusi, King Idris. This was the climax of Sanusiyyah episode. King Idris could not maintain his rule and was overthrown by the Muammar Qaddafi in 1969.

Several valuable researches have been conducted by the eminent scholars on the significance of this movement, its contribution and role. The Sanusi of Cyrenica(Oxford: 1949)by the renowned anthropologist Edward Evans-Pritchard, is considered the most impotent work in this subject. However most of its parts are devoted to political and anti-colonial aspects of the movement. There was a great need to preserve and elaborate the intellectual legacy of the movement. The above mentioned book of Dr. Nicola A. Ziadeh endeavours to fulfil this vacuum. Dr. Ziadeh was a professor of history in University of Beirut. He spent a period of time in the early fifties in Cyrenaica as an employer in the Department of Education. Therefore, he got a chance to observe the impact of this movement and collect the elementary and basic data for his research. He consulted almost all important basic western sources of the subject as he indicated in the bibliography at the end of the book.

This book is divided into four chapters with an introduction and an epilogue. First chapter describes geo-political and

religious conditions of Libya in the nineteenth century. The author elaborated upon the relation of the Wilaya of Tripoli and its relation with the Ottomans Empire in historical perspective. The remaining three chapters are focused on the core subject matter of the book. The second chapter consists of the introduction of the Sanusi leaders. The author briefly described the family background of Grand Sanusi Muhammad Ibn'Ali (1787–1859)his early education, his travelling from Fez to Makka al-Mukarramah for learning, and his activities during his life. After his death, Sayyad al-Mahdi succeeded his father and worked as a head of organization from 1859till 1902.Ziadeh described the achievements and activities of Sayyed Mahdi. He illustrated that Sayyad Sharif organised this movement after the death of al-Mahdi in 1902.He also the nature of their relation with the Ottoman rulers and Turkish society. Ziadeh briefly described the personality of the king of Libya Sayyad Muhammad Idris, son of Sayyad Sharif.

Ziadeh described in third chapter the philosophy of Sanusi thinkers. He elaborated upon the basic ideas of Grand al-Sanusi in the light of his books and how skilfully al-Sanusi integrated different approaches into one synthesis. Ziadeh asserted that Grand Sanusi amalgamated Sufi approach and anti-Sufi approach of renowned theologian Ibn Taymiyyah. Ziadeh threw the light on the Sanusi's concept of Ijtihad in the light of his book Iqaz. He also explained the process of carrying out this message by his successors. The forth chapter deals with the organisation of

Sanusi movement. He explained the significance of Zawiyah(Sufi training lodge) and its role with the reference of Sanusiyyah. The author claims that this movement grew in a political and administrative vacuum and Sanusi tried to fill this gap by spreading the awareness in the structure of nomadic tribes but this movement could not fill the gap completely. The author writes":Thus it did not come into a complete vacuum)".p. 121)

The arrangement of this book is very interesting and the author consulted the basic sources for the subject matte but he did not carefully consult the available literature produced by the religious thinkers of this movement. The use of this material may increase the value and worth of this book. Thematically, this book would be considered more important if the author paid more attention on the analysis of rise and fall of Sanusiyyah Order and how Arab nationalism effected the movement and way latter leaders of this movement could not respond the challenges of contemporary modern world. This is the weak point of this book which can be improved by the addition of critical analysis of this movement. However, overall this research is a good attempt to understand the Sanusiyyah movement and its philosophy and contribution in the late nineteenth and first half of twentieth centuries in Libya. The weakness of Ziadeh's book was covered by Vikor's Sufi and Scholar on the Desert Edge. Vikor describes the writings of al-Sanusi, showing the link between them in historical context(London: C. Hurst Co. Ltd, 1995) pp. 218–240) Furthermore, Vikor goes even deeper by juxtaposing the opposing

ideas of the time towards the jihad as well(p. 241.(Within this argument, he makes a statement that the Sufis have changed throughout time, bringing an example of al-Sanusi and al-Tijai, and interpreting it as a change in Sanusi movement(p. 241) Vikor's other book, Sources for Sanusi Studies speaks for itselfthe work is a presentation of research and great amount of historical and biographical detail, which is why it is intended to be used as a necessary companion to the previous historical work(p. v) The value of Vikor's work on Sanusi is great. However, the importance of Ziadeh's work cannot be neglected because of his pre-eminence in the field.

♦♦♦